معارف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

صدائے ثقلین

لندن

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

جولائی تا ستمبر 2015ء 25 جلد 7 شمارہ 1

نظارت

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی

مدیر

جعفر علی نجم

مجلس تحریر

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید علی رضا رضوی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری (مانچسٹر)

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل (مانچسٹر)

ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

خط و کتابت کیلئے

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

In Association with

Islamic Center of England

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK

Web: www.ic-el.com

Email: saqalainurdu@live.co.uk

فہرست

مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
سخنِ مدیر	جعفر علی نجم	3
امام خمینیؒ کی چھبیسویں برسی کی تقریب سے رہبر معظم کا خطاب	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ	5
شیعہ اسلامی عقائد	علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ	28
دُعائے افتتاح پر ایک نظر	حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شامی	40
لسانِ صادق	حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری	55
حج کے اجتماعی اثرات	حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل	62
اولاد کی تربیت میں محبت کا کردار	دار العرفان	71
حضرت امام حسن مجتبیٰؑ	آستان قدس رضوی	82
مذہب اہل بیتؑ	آیت اللہ محمد محمدی ری شہری	93
شرح چہل حدیث	آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ	108
مسجد	پیام اعظمی	128

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن مدیر

اے علیؑ آپؑ کے کرم کی دھوم
بھیجا شربت برائے قاتل شوم
اس عنایت سے ہو گیا معلوم
دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ بہ دشمنان نظر داری

الحمدللہ، سہ ماہی صدائے ثقلین کا ایک نیا شمارہ آپ کی خدمت میں آنلائن حاضر ہے۔ خداوند کا شکر ہے کہ ایک بار پھر اس کی ذات نے رمضان المبارک کا مقدس مہینہ دیکھنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔

امید ہے کہ فرزندان توحید اس ماہ کی عظیم برکات سے فائدہ اٹھائیں گے اور وہ جہاں اس ماہ میں ایک طرف عبادات کو کثرت سے انجام دیتے ہیں اور دوسری طرف خیرات وصدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اسی طرح عالم اسلام کو درپیش مسائل کے حل کے سلسلے میں بھی اپنی بساط کے مطابق کوشش کریں گے۔

آج امت مسلمہ کو اندرونی مذہبی خلفشار نے کھوکھلا کر رکھا ہے اور مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی ہر زمانے سے زیادہ ضرورت ہے، لہٰذا مبلغین اسلام، خطبائے کرام اور زعمائے قوم کے کندھوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس ماہ کے روح پرور اجتماعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امت اسلامیہ کو بیدار کرنے اور اپنے مسائل کو خود پیار ومحبت کی فضا میں بیٹھ کر حل کرنے کی کوشش کریں۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے امت اسلامیہ کے اتحاد و یکجہتی کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہ مبارک رمضان کے آخری جمعہ کو ''یوم القدس'' قرار دیا تا کہ امت مسلمہ بلا تفریق مذہب وملت مل جل کر بیٹھیں اور مسلمانوں کے قبلہ اوّل کے متعلق ہی نہیں، بلکہ پوری امت کو درپیش مسائل کا حل نکالیں۔

تکفیری عناصر آج دنیا بھر پھیل چکے ہیں اور یہ فقط شیعہ مسلمانوں کیلئے ہی خطرہ نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں، بلکہ پوری انسانیت کیلئے خطرہ ہیں۔ اس آفت سے نجات کا واحد راستہ، امت اسلامی کے اتحاد میں مضمر ہے۔ امید ہے کہ ماہ مبارک رمضان میں دُعاؤں کے ساتھ عملی کوشش بھی جاری رہے گی۔

یہ تیسرا شمارہ ہے کہ جو آنلائن قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ ہمارے ساتھ آپ بھی اس رسالہ کو آنلائن ویب سائٹ کے ذریعہ دنیا بھر کے قارئین کی خدمت میں پہنچانے مدد فرمائیں گے اور اس سلسلہ میں آپ بھی ہمارے ساتھ تعاون فرما کر دیگر علم دوست احباب کو اس کی اطلاع دیں گے اور ان کو بھی اس رسالے سے استفادہ کرنے کی طرف متوجہ کریں گے۔

ہم جناب مولانا سیّد ریاض حسین صفوی صاحب کی بھی کاوش پر شکر گزار ہیں کہ جن کی عرق ریزی سے یہ رسالہ تدوین کے مختلف مراحل سے گزر کر آپ کی خدمت میں موجود ہے۔

ہمیشہ کی طرح ہمیں قارئین محترم اور علمائے کرام اور خاص طور پر آنلائن قارئین کے مفید اور قیمتی مشوروں نیز آراء وتجاویز کا انتظار رہے گا۔ شکریہ!

والسلام

جعفر علی نجم

(27/جون 2015ء)

*****

حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی چھبیسویں برسی کی عظیم الشان تقریب سے

رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی

کا خطاب[1]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَ حَبِیْبِ قُلُوْبِنَا اَبِی الْقَاسِمِ الْمُصْطَفٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہِ الْاَطْیَبِیْنَ الْاَطْھَرِیْنَ الْمُنْتَجَبِیْنَ سِیَّمَا بَقِیَّۃَ اللّٰہِ فِی الْاَرَضِیْنَ. اَللّٰھُمَّ کُنْ لِّوَلِیِّکَ الْحُجَّۃِ بْنِ الْحَسَنِ صَلَوَاتُکَ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰبَآئِہٖ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ وَ فِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ وَّلِیًّا وَّ حَافِظًا وَّ قَآئِدًا وَّ نَاصِرًا وَّ دَلِیْلًا وَّ عَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَہٗ اَرْضَکَ طَوْعًا وَّ تُمَتِّعَہٗ فِیْھَا طَوِیْلًا. اَللّٰھُمَّ اَعْطِہٖ فِیْ نَفْسِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ شِیْعَتِہٖ وَ رَعِیَّتِہٖ وَ خَاصَّتِہٖ وَ عَامَّتِہٖ وَ عَدُوِّہٖ وَ جَمِیْعِ اَھْلِ الدُّنْیَا مَا تَقَرُّ بِہٖ عَیْنُہٗ وَ تَسُرُّ بِہٖ نَفْسُہٗ۔

اپنی گفتگو کے آغاز میں کچھ باتیں حضرت بقیۃ اللہ الاعظم (ارواحنافداہ) کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ منجی آخر الزمانؑ کے بارے میں تمام ابراہیمی ادیان کا اتفاق ہے کہ ایسی ہستی آئے گی جو ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو نجات دلائے گی۔ اس بات کو تمام ابراہیمی ادیان مانتے ہیں۔ اسلام میں اس منجی کا نام بھی واضح ہوگیا ہے۔ اس غیر معمولی، اس عظیم اور الٰہی انسان کو تمام اسلامی مذاہب حضرت مہدی علیہ السلام کے نام سے پہچانتے ہیں۔ شاید اسلامی فرقوں میں کوئی ایسا فرقہ موجود نہ ہو جس کا اس بات پر اعتقاد نہ ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام ظہور کریں گے اور وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔ حتی کہ ان کا نام اور کنیت بھی واضح ہے۔ اس سلسلے میں شیعہ اعتقاد میں ایک خاص خصوصیت موجود ہے کہ

---

[1] یہ خطاب 4 جون 2015ء کو تہران میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کیا گیا۔ (بشکریہ از: www.leader.ir)

وہ اس شخصیت کا خاص اور معین طور پر تعارف کراتے ہیں اور ان کو آئمہ اہلبیت علیہم السلام میں سے گیارہویں امام، حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرزند مانتے ہیں۔ ان کی ولادت کی تاریخ شیعہ مؤرخین اور شیعہ متکلمین نے واضح طور پر بیان کی ہے۔ دوسرے اسلامی فرقوں نے اس نظریہ کو بیان نہیں کیا ہے یا قبول نہیں کیا ہے، لیکن شیعہ قطعی اور ٹھوس دلائل کے ساتھ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے وجود اور ولادت کو ثابت کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے استبعاد کیا ہے اور بعید سمجھا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ انسان پیدا ہو اور اتنے طولانی عرصہ تک زندہ رہے۔ یہ واحد استبعاد اور اشکال ہے جسے مخالفین نے حضرت مہدی علیہ السلام کے وجود کے بارے میں بیان کیا ہے اور اس کا بار بار تکرار کیا ہے، لیکن قرآن کریم خود اس استبعاد اور اشکال کو اپنی صریح نص کے ساتھ برطرف کرتا ہے۔ حضرت نوح پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾

(نوح علیہ السلام ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے)۔[1]

اس آیہ مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے درمیان ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال زندگی گزاری ہے، نہ یہ کہ ان کی عمر اتنی تھی۔ بظاہر معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی مدت اتنی تھی۔ لہٰذا اس استبعاد اور اشکال کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

شیعوں کے درمیان اس اعتقاد کی سب سے بڑی خاصیت امید آفرینی ہے۔ شیعہ معاشرہ صرف ماضی میں اپنے ممتاز کارناموں کا ہی سہارا نہیں لیتا، بلکہ اس کی مستقبل پر بھی نظر ہے۔ شیعہ عقیدے کے مطابق مہدویت کے مسئلہ پر اعتقاد رکھنے والا شخص مشکل ترین حالات میں بھی دل کو امید سے خالی نہیں سمجھتا۔ اس امید کا نور ہمیشہ موجود ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ تاریکی وظلمت کا دور، یہ ظلم وستم کا دور، یہ باطل اور ناحق تسلط پسندی کا دور یقینی طور پر ختم ہو جائے گا۔ اس اعتقاد کے یہ سب سے اہم نتائج اور آثار ہیں۔ البتہ مہدویت کے بارے میں شیعوں کا اعتقاد یہیں تک محدود نہیں ہوتا ہے، بلکہ شیعوں کا اعتقاد ہے کہ یہ کائنات امام مہدی علیہ السلام کے وجود بابرکت کی وجہ سے روزی پا رہی ہے اور اس کا قیام ودوام انہی کے

---

[1] سورۂ عنکبوت، آیت ۱۴۔

وجود مبارک کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

بِیُمنِہٖ رُزِقَ الوَرٰی وَ بِوُجُوْدِہٖ ثَبَتَتِ الْاَرْضُ وَ السَّمَآءُ۔

(ان کی وجہ سے جہانوں کی مخلوق کو روزی دی جارہی ہے اور ان کے وجود اقدس کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں)۔[1]

یہ درخشاں اور فروزاں شعلہ، شیعہ معاشرے میں گزشتہ صدیوں میں بھی موجود رہا ہے اور اسی طرح موجود رہے گا اور انشاء اللہ منتظرین کے انتظار کا دور ختم ہوجائے گا۔ کل حضرت مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا دن تھا۔ آپ عزیز بھائیوں اور بہنوں کے اجتماع میں حضرت مہدی علیہ السلام کی ولادت با سعادت کے سلسلے میں یہ مختصر باتیں پیش کیں۔

مگر آپ عزیز بھائیوں اور بہنوں کے اس عظیم اور شاندار اجتماع اور نیز ایرانی قوم کیلئے 14 خرداد کی مناسبت سے جو موضوع میں نے آمادہ کیا ہے وہ حسب معمول ہمارے عظیم الشان قائد امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے۔ اس بارے میں ہم بہت سی باتیں عرض کر چکے ہیں لیکن اس عظیم شخصیت کے بارے میں بات کرنے کی اب بھی بہت گنجائش ہے۔

آج جس موضوع کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ ''امام خمینیؒ کی شخصیت کی تحریف'' ہے۔ کیا شخصیتیں بھی قابل تحریف ہیں؟ معمول کے مطابق تحریف کے عنوان کو اور تحریف کی اصطلاح کو متون کی تحریف کے بارے میں استعمال کرتے ہیں۔ کیا شخصیتوں کو بھی تحریف کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ شخصیتوں کی تحریف یہ ہے کہ اس عظیم انسان کی شخصیت کے بنیادی ارکان یا مجہول رہیں یا اس سے غلط معنی اخذ کئے جائیں یا اس کے انحرافی اور سطحی طور پر معنی کئے جائیں۔ یہ تمام چیزیں شخصیت کی تحریف کے متعلق ہیں۔ جو شخصیت نمونہ عمل ہے وہ امام و پیشوا ہے۔ اس کی رفتار و گفتار آئندہ نسلوں کیلئے بھی راہنما اور ہدایت بخش ہوتی ہے۔ اگر یہ شخصیت تحریف ہوجائے تو اس کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ پر صرف ایک محترم اور تاریخی شخصیت کے عنوان سے توجہ نہیں

---

[1] شرح اصول کافی، ج ۱، ص ۴۔

دینی چاہیے۔ بعض افراد ایسا چاہتے ہیں کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ایک محترم شخصیت ہیں۔ اس ملک کی تاریخ میں کچھ عرصہ فعال و سرگرم رہے، مفید رہے بعد میں اس دنیا سے اُٹھ گئے اور ان کا دور ختم ہوگیا۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں، ان کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ صرف اتنا ہی۔ بعض لوگ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف اس طرح کرانا چاہتے ہیں اور آپ کے بارے میں اس قسم کا تصور رکھتے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے۔

حضرت امام خمینی علیہ السلام عظیم تحریک کے عینی مظہر ہیں جسے ایرانی قوم نے آغاز کیا اور اپنی تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ حضرت امام خمینی علیہ السلام ایک فکری، سیاسی اور سماجی مکتب کے بانی ہیں۔ ایرانی قوم نے اس مکتب کو، اس راہ کو اور اس منصوبے اور فکر کو قبول کیا اور آگے کی سمت بڑھ رہی ہے۔ اس راہ پر گامزن رہنے کیلئے ضروری ہے کہ اس منصوبے اور فکر کو درست پہچانا جائے۔ حضرت امام خمینی علیہ السلام کی درست پہچان اور ان کے اصولوں کی صحیح شناخت کے بغیر اس منصوبے اور فکر کی شناخت ممکن نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ہماری بحث حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے فکری اصول سے متعلق ہے۔ سرسری و سطحی اور زمان و مکان سے متعلق فیصلوں کے بارے میں بحث نہیں ہے، بلکہ ہماری بحث حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے فکری اصول کی تشکیل کے بارے میں ہے۔ اس کو ہم درست و صحیح پہچاننا چاہتے ہیں۔

البتہ مرحوم امامؒ ایک عظیم فقیہ تھے۔ وہ ایک عظیم اور ممتاز فقیہ بھی تھے اور فلسفی بھی تھے۔ عرفان نظری میں بھی صاحب نظر تھے۔ ان مسائل اور شعبوں میں علمی اور فنی لحاظ سے وہ نامور اور معروف انسان شمار ہوتے تھے، لیکن حضرت امام خمینی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ممتاز شخصیت ان میں سے کسی کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، بلکہ امام خمینی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصلی شخصیت قرآن مجید کی اس آیہ مجیدہ کے مضمون میں جلوہ گر تھی جس میں ارشاد ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾[1]

(اور اللہ کے بارے میں اس طرح جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے)۔[1]

حضرت امام خمینی علیہ السلام اس علمی ذخیرہ کے ہمراہ فی سبیل اللہ مجاہدت کے میدان میں وارد ہو گئے اور اس مجاہدت کو اپنی عمر کے آخری لحظہ تک جاری رکھا اور ایک عظیم تحریک کو وجود عطا کیا۔ نہ صرف اپنے

[1] سورۂ حج، آیت ۷۸۔

ملک میں بلکہ پورے علاقہ میں اور پورے عالم اسلام میں بلکہ ایک لحاظ سے پوری دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا اور ان کی یہ تحریک ایک بے نظیر اور بے مثال تحریک ہے۔

ملک میں حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ دو اہم اور بے نظیر کام انجام پائے:

ایک ظالمانہ وغیر منصفانہ اور موروثی شاہی نظام کا خاتمہ، جس کا ملک میں کئی ہزار سالہ سابقہ تھا۔ اس قدیم، غلط اور بوسیدہ عمارت کا نظام ایسے افراد کے ہاتھ میں تھا جو میراث کے طور پر ایک سے دوسرے تک پہنچتا تھا، یا شمشیر اور طاقت کے زور پر حکومت پر قبضہ کرتے تھے اور پھر اسے ایک نسل سے دوسری نسل تک میراث کے طور پر منتقل کرتے تھے۔ یہ ایک غلط اور غیر منطقی سلسلہ تھا جو ہزار سال سے ہمارے ملک میں جاری تھا۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا کام یہ تھا کہ انہوں نے اس غلط عمارت کو منہدم کر دیا اور زمام امور کو ملک کے عوام کے سپرد کر دیا۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا عظیم اور اہم کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کی بنیاد پر حکومتی نظام قائم کر دیا اور یہ قدم ہمارے ملک بلکہ صدر اسلام کے بعد اسلام کی پوری تاریخ میں بے مثال قدم تھا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم جہاد کا ثمر ایسا ثمر تھا جس پر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ: جَاهَدَ فِي اللهِ حَقَّ جِهادِهِ[1]: (انہوں نے ایسے جہاد کیا جیسے جہاد کا حق ہوتا ہے)۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾[2]، جیسا کہ اولیائے دین کے بارے میں کہا جاتا ہے، یہ عظیم انسان بھی جَاهَدَ فِي اللهِ حَقَّ جِهادِهِ کے مصداق ہیں۔

البتہ اپنی گفتگو کے ضمن میں یہ بھی عرض کر دوں کے اس عظیم انسان کا جہاد صرف سیاسی، سماجی اور فکری جہاد نہ تھا، بلکہ ان تمام جہادوں کے ساتھ اندرونی جہاد، جہاد بالنفس اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسلسل اور دائمی رابطہ بھی تھا۔ یہ بھی درس ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر ہم فکری جہاد، علمی جہاد، سیاسی جہاد یا عسکری جہاد میں وارد ہو جائیں تو ہمیں حق حاصل ہو جائے کہ ہم اس جہاد سے منصرف ہو جائیں۔ حضرت امامؒ

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۱۸۔

[2] سورۂ حج، آیت ۷۸۔

اہل خشوع اور اہل بکاء تھے، اہل دُعا تھے، اہل توسل اور تضرع تھے۔ اسی شعبان کے مہینے میں مکرر اپنے خطاب میں مناجات شعبانیہ کے اس جملے کی تکرار کرتے تھے:

اِلٰهِیْ هَبْ لِیْ كَمَالَ الاِنْقِطَاعِ اِلَیْكَ وَ اَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوْبِنَا بِضِیَآءِ نَظَرِهَا اِلَیْكَ حَتّٰی تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ فَتَصِلَ اِلٰی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ۔

(معبود! مجھے توفیق عنایت فرما کہ میں صرف تیری بارگاہ کا ہو جاؤں۔ (معبود!) ہمارے دلوں کی آنکھیں جب تیری طرف نظر کریں تو انہیں نورانیت سے معمور فرمادے تاکہ یہ دیدہ ہائے دل حجاباتِ نور کو پار کر کے تیری عظمت و بزرگی کے مرکز تک رسائی کا شرف پالیں)۔[1]

یہ چیزیں ان کی ذات کا حصہ بن چکی تھیں۔ یہ ان کا ہنگام سحر گریہ و نالہ تھا۔ یہ ان کی دُعا، مناجات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسلسل و پیہم رابطہ تھا اور یہ معنوی حالت اس عظیم انسان کے جہاد میں استمرار کا باعث بنی اور اس صورتحال کو بھی حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے۔

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کا مکتبہ فکر، ایک سیاسی، سماجی اور فکری مکتب کی کامل خصوصیات کا حامل ہے جو سب سے پہلے ایک تصور کائنات پر مبنی اور استوار ہے اور یہ تصور کائنات توحید پر مشتمل ہے۔ ان کی تمام سرگرمیاں اور ان کی پوری منطق توحید پر استوار تھی جو تمام اسلامی افکار کی اساس اور بنیاد ہے۔

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے مکتبہ فکر کی دوسری خصوصیت، جو حقیقی معنی میں ایک فکری مکتب شمار ہوتی ہے کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر اپ ڈیٹ اور روزانہ کی بنیاد پر تھی۔ ایرانی اور انسانی معاشرے کے مبتلا بہ مسائل کو بیان کرتے تھے اور مخاطبین اس کو محسوس کرتے تھے۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے فکری مکتب میں استبداد اور استکبار کی مخالفت حرف اوّل کی حیثیت رکھتی تھی اور اس چیز کو ایرانی قوم بھی محسوس کرتی تھی اور دوسری مسلمان اور غیر مسلمان قومیں بھی محسوس کرتی تھیں اور اس دعوت کے فروغ کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔

---

[1] اقبال الاعمال، ج ۲، ص ۶۸۷۔

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے اس فکری مکتب کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ یہ زندہ، بانشاط، پرتحرک اور سرگرم مکتب تھا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتب، بعض نظریہ پردازوں اور روشن فکر تھیوری سازوں کی طرح نہیں تھا جن کی محفل میں باتیں اور گفتگو تو اچھی ہے، لیکن عمل کے میدان میں کارآمد نہیں ہے۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی منطق، ان کی فکر، ان کی راہ، عملی راہ تھی، جسے وہ میدان عمل میں عملی جامہ پہناتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ کامیاب بھی ہوئے اور پیشرفت بھی حاصل کی اور ان کی اس تحریک نے ہمارے ملک کی تاریخ کو بدل دیا۔ ایرانی قوم دوسروں کے زیر اثر اور تسلط میں رہنے کی عادی اور ہدف و امید سے خالی قوم تھی۔ ہماری قوم کو دانستہ طور پر پسماندگی میں مبتلا کر دیا گیا تھا۔ ہمارے اوپر دوسروں کی فکر وسوچ بھی مسلط کر دی گئی تھی۔ اغیار کی ثقافت بھی مسلط کر دی گئی تھی۔ ہمارے اقتصادی وسائل کو اغیار لوٹ رہے تھے اور ہمارے ملک کو اپنے مکروہ اور مذموم عادات واطوار کی آماجگاہ بنائے ہوئے تھے۔ ہماری قوم کی حالت یہ تھی۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جوش وجذبے سے بھری ہوئی قوم، امید ونشاط سے معمور قوم، عمل واقدام کی جرأت رکھنے والی قوم اور اعلیٰ اہداف کی مالک قوم میں تبدیل کر دیا۔ البتہ ابھی ان اعلیٰ اہداف اور مقاصد سے ہمارا فاصلہ کافی زیادہ ہے، لیکن یہی کیا کم ہے کہ ہم گامزن ہیں، یہ کیا کم ہے کہ ہماری قوم کے اندر ترقی کی منزلیں طے کرنے کا جذبہ موجزن ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو اعتماد ہے کہ وہ ان اہداف کو حاصل کر لیں گے۔ سماجی انصاف کو مکمل طور پر رائج کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ملک میں ثروت وترقی لائیں گے۔ وطن عزیز کو ترقی یافتہ اور اپنی تاریخی شناخت کے شایان شان قدرت وتوانائی سے بہرہ مند ملک بنا دیں گے۔ آج ہمارے ملک میں یہ امید موجیں مار رہی ہے اور ہمارے نوجوان اس سمت میں آگے کی سمت بڑھ رہے ہیں۔ ہم غفلت و بے ہوشی کی حالت سے باہر نکل آئے ہیں۔ نیند سے جاگ چکے ہیں۔ یہ کارنامہ ہمارے عظیم رہنما اور آپ کی تحریک نے سرانجام دیا ہے۔

اگر ایرانی قوم اعلیٰ اہداف تک پہنچنا چاہتی ہے اور اس راستے پر اپنا سفر جاری رکھنا چاہتی ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے راستے کو اچھی طرح پہچانے، آپ کے اصولوں سے صحیح

طور پر آشنا ہو اور آپ کی شخصیت کے بارے میں کوئی تحریف نہ ہونے دے، کیونکہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں تحریف درحقیقت راہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تحریف اور ایرانی قوم کو صراط مستقیم سے منحرف کر دینے کے مترادف ہے۔ اگر ہم نے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے راستے کو فراموش کر دیا، اگر ہم اس راستے سے منحرف ہو گئے یا خدانخواستہ دانستہ طور پر اسے نظر انداز کر دیا تو ایرانی قوم چوٹ کھا جائے گی۔

یہ بات سب ذہن نشین رکھیں کہ عالمی استکبار کی لالچی اور کبھی سیر نہ ہونے والی نگاہیں ہمارے ملک پر لگی ہوئی ہیں۔ ایران جیسا بڑا ملک، دولتمند ملک، دنیا کے حساس چوراہے پر واقع ملک، دنیا کی عیار طاقتوں کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی لالچی اور حریصانہ نگاہیں ہٹی نہیں ہیں۔ ان کا طمع ختم نہیں ہوا ہے۔ یہ تبھی پسپا ہوں گی جب آپ ایرانی عوام کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جائے، آپ اتنی ترقی کر جائیں کہ ان پر مایوسی طاری ہو جائے۔ اسی لئے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں تحریف کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ اگر امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں تحریف کی گئی یا اس کا صحیح تعارف نہ کرایا گیا، یا اسے غلط طریقے سے پیش کیا گیا تو ایرانی قوم کو یہ سارے بڑے خطرات اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ اسی لئے امام رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں تحریف کے خطرے کو ملک کے حکام، انقلاب سے متعلق مفکرین، حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے شاگرد، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے راستے سے گہری دلچسپی اور لگاؤ رکھنے والے افراد، تمام نوجوان، علمی شخصیات، یونیورسٹیوں اور دینی درسگاہوں سے وابستہ افراد ایک سنجیدہ خطرے اور انتباہ کے طور پر لیں۔ یہ میری مقدماتی اور تمہیدی گفتگو تھی۔

حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بھی آپ کی شخصیت کے بارے میں تحریف کی کوششیں ہوئیں۔ ایک طرف دشمن تھے جو انقلاب کے ابتدائی ایام سے ہی اپنے عالمی پروپیگنڈے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو دنیا کے معروف تاریخی انقلابات جیسے انقلاب فرانس، سوویت یونین کے اشتراکی انقلاب اور بعض دیگر انقلابات کے رہنماؤں کے بارے میں ہم سنتے ہیں، ایک خشک اور سخت گیر انقلابی شخصیت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایسے انسان کے طور پر جو بالکل خشک مزاج، انتہائی تندخو،

ہمیشہ چیں بجبیں رہنے والا، ہمیشہ دشمن سے لڑنے کے بارے میں سوچنے والا انسان ہے، جس کے اندر کسی طرح کی لچک، لطافت ونرمی نہیں ہے۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا اس طرح تعارف کراتے تھے جو کہ غلط تھا۔ بیشک حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر قطعیت تھی، تزلزل نہیں پایا جاتا تھا، اپنے فیصلے میں پختہ عزم رکھتے تھے جس کے بارے میں ابھی میں عرض کروں گا، لیکن اس کے ساتھ ہی جذبات واحساسات کا مرقع بھی تھے۔ لطیف مزاج رکھتے تھے۔ شفیق انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور خلق خدا خاص طور پر معاشرے کے مظلوم اور پسے ہوئے طبقات کے حوالے سے محبت والفت سے سرشار انسان تھے۔ دشمن نے انقلاب کے بعد روز اوّل سے عالمی سطح پر یہ غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا۔

ملک کے اندر بھی بعض لوگ نادانستہ طور پر اور بعض جان بوجھ کر حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں تحریف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جب آپ زندہ اور قید حیات میں تھے۔ کچھ لوگ ایسی ہر بات جو انہیں پسندیدہ معلوم ہوتی تھی، حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیتے تھے، حالانکہ ان باتوں کا امام رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی ربط نہیں ہوتا تھا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ حد یہ ہوگئی کہ بعض باتیں اور اظہار خیال ایسے بھی سامنے آئے کہ ان میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا جو تعارف کرایا گیا اس کے مطابق وہ گویا کوئی لبرل انسان تھے اور سیاسی میدان میں اور اسی طرح فکری و ثقافتی میدان میں بھی کسی قید وشرط اور ضابطے کے قائل نہیں تھے۔ یہ بات بھی بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔ اگر ہم حقیقی معنی میں حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ موجود ہے۔ اگر ہم اس راستے پر چلے جو میں ابھی عرض کروں گا، تو مسئلہ حل ہو جائے گا، ورنہ دوسری صورت میں کچھ لوگ آئیں گے اور اپنی پسند اور مرضی کے مطابق حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کرائیں گے۔ کل کو کچھ اور لوگ آئیں گے تو وہ اپنے مزاج کے مطابق اور دنیا میں رونما ہونے والے واقعات کے پیش نظر اور اس وقت کی مصلحتوں کے مدنظر حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی اور انداز میں متعارف کرائیں گے۔ یہ تو درست نہیں ہے۔ عوام کے درمیان حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت دائمی ہے۔ دشمن اسے ختم نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ملک کے اندر اور باہر کثیر تعداد میں لوگوں کے دلوں میں بسنے والی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے

بارے میں تحریف کا خطرہ زیادہ سنگین ہے۔

اس تحریف کا راستہ روکنے کا واحد طریقہ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں کا بار بار مطالعہ ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ فکری اصول اور بنیادیں ہیں۔ یہ اصول اور یہ بنیادیں اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد کے دس سال میں اور اس سے قبل پندرہ سال کی تحریک کے دوران امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات اور تقاریر میں مذکور ہیں۔ ان تقاریر و خطبات سے ان اصولوں کو اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ان اصولوں اور ان خطوط کو اگر ایک ساتھ جمع کر دیا جائے تو امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا ایک خاکہ سامنے آ جائے گا۔ یہی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام فروعات کا مطالعہ کیا جائے۔ دیگر انسانوں کی طرح امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بھی نشیب و فراز ہیں۔ بہت سے واقعات رونما ہوئے اور ہر واقعہ کا کچھ تقاضا بھی رہا۔ میں اصولوں کی بات کر رہا ہوں۔ ان چیزوں کی بات کر رہا ہوں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی مسلمہ باتیں ہیں۔ اسلامی حکومت کی تشکیل سے قبل کا دور ہو یا اسلامی حکومت کی تشکیل کا زمانہ ہو، مسلط کردہ آٹھ سالہ جنگ کا دور ہو یا اس کے بعد یا پہلے کے ادوار ہوں، اس پوری مدت میں حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسلمہ اصولوں کو بار بار بیان کیا ہے۔ ان اصولوں میں بعض کو منتخب کر لینا اور بعض دیگر کو ترک کر دینا بھی درست نہیں ہے۔ میں آج ان میں سے پانچ چھ اصول بیان کروں گا۔ تاہم یہیں پر یہ بھی کہتا چلوں کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بنیادی اصول ممکن ہے کہ صرف اتنے ہی نہ ہوں۔ جو اہل نظر ہیں اور جو فکری توانائی کے حامل افراد ہیں وہ جائیں مطالعہ کریں، کوشش کریں، حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کا تجزیہ کریں، بحمد اللہ ان کی تدوین ہو چکی ہے اور یہ خطبات موجود ہیں اور سب کی دسترس میں بھی ہیں، ان کے اندر سے اصولوں کو اخذ کریں۔ میں حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات سے حاصل ہونے والے تمام اصولوں کو بیان نہیں کر پاؤں گا۔ صرف پانچ چھ اصول بیان کروں گا۔ ان اصولوں میں سے صرف چند کو اپنا لینا درست نہیں ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ لوگ خود آگے بڑھیں اور مزید کچھ اصول تلاش کریں، تاہم آج میں جو اصول بیان کر رہا ہوں وہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کے مسلمہ حقائق ہیں۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے راستے کے واضح اصول ہیں۔

● اوّل: حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر میں سب سے پہلی چیز جو موجود نظر آتی ہے وہ خالص اسلام محمدی کا اثبات اور امریکی اسلام کی نفی ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے خالص اسلام کو امریکی اسلام کی ضد قرار دیا ہے۔ امریکی اسلام کیا ہے؟ ہمارے زمانے میں، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اور تمام ادوار میں جہاں تک ہماری معلومات ہے، ممکن ہے آئندہ بھی یہی رہے کہ امریکی اسلام کی دو شاخیں ہیں: ایک ہے لیبرل اسلام اور دوسرے رجعت پسندانہ اسلام۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کو جو لیبرل فکر رکھتے تھے یعنی دین کو، سماج کو، انسانوں کے سماجی روابط کو اسلام سے الگ رکھنے کے قائل تھے، ہمیشہ ان لوگوں کے زمرے میں رکھا جو دین کے سلسلے میں رجعت پسندانہ نظریہ رکھتے تھے۔ یعنی دین کے بارے میں ایسا قدامت پسندانہ نظریہ جو نئی فکر کے انسانوں کیلئے ناقابل فہم ہو، جو متعصّبانہ طور پر غلط بنیادوں اور بنیاد پرستی پر زور دیتا ہو۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں نظریات کے حامل لوگوں کا ہمیشہ ایک ساتھ ذکر کرتے تھے۔

آج اگر آپ غور کیجئے تو دیکھیں گے کہ دنیائے اسلام میں ان دونوں شاخوں کے نمونے موجود ہیں اور دونوں کو دنیا کی توسیع پسند طاقتوں اور امریکہ کی حمایت و پشت پناہی حاصل ہے۔ آج منحرف گروہوں جیسے داعش اور القاعدہ وغیرہ کو بھی امریکہ اور اسرائیل کی حمایت حاصل ہے اور اسی طرح ایسے حلقوں کو بھی امریکہ کی سرپرستی حاصل ہے جن کا نام تو اسلامی ہے لیکن اسلامی عمل اور اسلامی فقہ و شریعت سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہمارے عظیم قائد و رہنما کی نگاہ میں خالص اسلام وہ ہے جو کتاب خدا اور سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر استوار ہو۔ جو روشن فکری کے ساتھ، زمان و مکان کے تقاضوں سے واقفیت کے ساتھ، مسلمہ علمی طریقوں اور روشوں سے اور دینی درسگاہوں میں تکمیل کے مراحل طے پانے والے عمل کے ذریعے اخذ کیا جاتا ہے اور حاصل ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ استنباط کی خاص روش کو نظر انداز کر دیا جائے اور جو بھی چاہے قرآن کھولے اور اس روش کا استنباط کر لے جس کے ذریعے سماج کو چلانا ہے۔ نہیں، اس کا اپنا خاص طریقہ ہے۔ استنباط کی ایک خاص روش ہے۔ یہ علمی روش ہے۔ اس پر بڑا کام ہوا ہے۔ کچھ ہی لوگ ہیں

جن میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ اس روش کے مطابق آگے بڑھیں۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں خالص اسلام اسی کو کہتے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ جسے بھی وہ روش اور طریقہ پتہ ہے وہ اس استنباط پر قادر ہو جائے گا۔ اس کے اندر روشن فکری بھی ہونی چاہیے۔ حالات اور زمان و مکان سے پوری آگاہی رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد خالص اسلام کا تعین کر پانا، اسے پہچاننا اور دوسروں کو اس کی پہچان کرانا ممکن ہوگا۔

''درباری ملاؤں کا اسلام'' (حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء کیلئے ہمیشہ یہی اصطلاح استعمال کرتے تھے)، داعشی اسلام ہے۔ دوسری جانب صیہونی جرائم پر خاموش رہنے والا، امریکی جرائم پر سکوت اختیار کرنے والا، امریکہ اور بڑی طاقتوں کے آسرے پر اور ان کے اشارے کا منتظر رہنے والا اسلام ہے۔ یہ سب ایک ہی زمرے میں آتے ہیں۔ ایک منزل وہ آتی ہے جہاں یہ سب پہنچ کر ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں یہ سب مسترد کر دیئے جانے کے قابل ہیں۔

جس اسلام پر حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ زور دیتے ہیں وہ ان سب کے مدمقابل نظر آتا ہے۔ جو شخص امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے والا ہے اسے چاہیے کہ حد بندی کرے۔ رجعت پسند اسلام کے سامنے بھی اور لیبرل اسلام کے سامنے بھی اپنی حد بندی کرے اور حقیقی اسلام کو پہچانے اور اس پر عمل کرے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اصول یہ ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بس ایک آدھ بار بیان کر دیا ہو۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات میں یہ چیز ہر جگہ نظر آئے گی۔

● دوّم: حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں میں سے ایک اصول اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر اعتماد ہے۔ اللہ کے وعدوں کی صداقت پر اعتماد، دوسری جانب دنیا کی مستکبر اور استبدادی طاقتوں کی طرف سے بے اعتمادی، یہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کا حصہ ہے۔ پروردگار عالم کی قدرت پر توکل، اللہ تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ کیا ہے اور جو لوگ اس وعدے پر یقین نہیں رکھتے، کلام خداوند میں ان پر لعنت بھی کی گئی ہے ﴿وَلَعَنَهُمُ اللهُ﴾[1]، ﴿غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ﴾[2]، ﴿الظَّآنِّينَ بِاللهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۶۸۔

[2] سورۂ مجادلہ، آیت ۱۴۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝﴾[1]۔

اللہ کے وعدے پر یقین، اللہ کے وعدے کی صداقت پر ایقان جس نے فرمایا ہے: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾[2] امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کا ایک اہم ستون یہ ہے کہ اللہ کے وعدوں پر یقین وتوکل کیا جائے۔ اس کے برعکس دشمنوں، مستکبرین اور دنیا کی بڑی طاقتوں کے بظاہر اچھے وعدوں پر قطعی اعتماد نہ کیا جائے۔ یہ چیز امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل میں، کردار میں اور تقاریر میں بالکل واضح دکھائی دیتی ہے۔ قدرت پروردگار پر اس اعتماد کی وجہ سے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اپنا انقلابی مؤقف بالکل واضح طور پر بیان کر دیا کرتے تھے۔

حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ واضح اور واشگاف انداز میں گفتگو کرتے تھے۔ جو نظریہ ہوتا تھا اسے کھلے الفاظ میں بیان کر دیتے تھے، کیونکہ اللہ پر توکل تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ انہیں اس کا اندازہ نہ رہا ہو کہ بڑی طاقتوں کو یہ بات بری لگے گی اور وہ سیخ پا ہو جائیں گی۔ وہ جانتے تھے، لیکن انہیں اللہ کی قوت پر، نصرت خداوندی پر اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر کامل یقین اور اطمینان ہوتا تھا۔ گوناگوں حوادث ہوئے لیکن کبھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں کسی تکلف میں نہیں پڑے۔ دنیا کی سامراجی حکومتوں یا ان کی آلہ کار ریاستوں کے سربراہوں نے جو خطوط امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھے ان میں سے غالباً دو کا جواب آپ نے دیا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے جوابی خط واشگاف الفاظ میں تحریر فرمایا جو اس وقت اسلامی جمہوریہ ایران کے نشریاتی ادارے سے نشر بھی ہوا۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ادب واخلاق کے ساتھ بات کرتے تھے، لیکن انہوں نے ان خطوط میں اپنا مؤقف بالکل صاف طور پر اور دوٹوک انداز میں بیان کر دیا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ جذبہ توکل، خون کی مانند قوم کی رگوں میں بھی جاری کر دیا۔ عوام کے اندر بھی توکل علی اللہ کا جذبہ موجزن ہو گیا۔ سب کو اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین ہو گیا۔ پورا ملک اس راستے پر چل پڑا۔ چونکہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو مستکبرین پر کوئی اعتماد اور یقین نہیں تھا، اس لئے وہ ان کے وعدوں پر کبھی توجہ نہیں دیتے

---

[1] سورۂ فتح، آیت ۶۔ ترجمہ: ''جو خدا کے بارے میں برے خیالات رکھتے ہیں، ان سب پر عذاب نازل کرے ان کے سر عذاب کی گردش ہے اور ان پر اللہ کا غضب ہے، خدا نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کیلئے جہنم کو مہیا کیا ہے جو بدترین انجام ہے''۔

[2] سورۂ محمدؐ، آیت ۷۔

تھے۔ امریکی صدر ریگن نے جو بہت طاقتور صدر تھے، حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، پیغام بھیجا، ایلچی بھیجا، مگر حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی اعتنا نہ کی۔ ریگن کا کوئی جواب ہی نہیں دیا، کوئی توجہ ہی نہیں کی۔ جو وعدہ ریگن نے کیا تھا امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل اسے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا۔

ایک اور موقع پر مسلط کردہ جنگ کے خاتمے کے سلسلے میں امریکہ کی اتحادی حکومت نے ایک وعدہ کیا تھا، سینکڑوں ارب یا ایک ہزار ارب ڈالر کا معاملہ تھا، مگر امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بھی کوئی توجہ نہیں دی، بالکل پرواہ نہیں کی۔ آج ہم درپیش معاملات میں خود بھی اس چیز کو محسوس کر رہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں آ رہا ہے کہ کیوں مستکبرین پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ وہ غیر رسمی ملاقاتوں میں جو کچھ کہتے ہیں اس پر ہرگز بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، یہ چیز ہم باقاعدہ محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے مکتب فکر کے بنیادی اصولوں میں قرار دیا۔ اللہ پر توکل اور مستکبرین کے سلسلے میں عدم اعتماد۔ البتہ یہ دنیا سے قطع تعلق کر لینے کے معنی میں بھی نہیں تھا، کیونکہ دنیا کے حکام مختلف مواقع پر حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو خیر سگالی کے پیغام بھیجتے تھے اور آپ ان پیغامات کا جواب بھی دیتے تھے۔ اس طرح کا معمول کی حد کا محترمانہ اور مؤدبانہ رابطہ بھی تھا مگر استکباری طاقتوں اور ان کے اتحادیوں پر کوئی اعتماد نہیں کرتے تھے۔

- سوم: حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا عوام کی قوت ارادی اور عوامی توانائی پر اعتماد کرنا اور حکومتوں سے امید لگانے کی مخالفت۔ یہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا اہم اصول ہے۔ ان دنوں ایک غلط نظریے کی بنیاد پر یہ کوشش ہو رہی تھی کہ ملک کے تمام اقتصادی امور حکومت کے سپرد کر دیئے جائیں، لیکن امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ بار بار متنبہ کر رہے تھے۔ یہ انتباہ آپ کی تقاریر اور بیانوں میں واضح طور پر موجود ہے۔ آپ بار بار کہتے تھے: ان امور کو عوام کے سپرد کر دیجئے۔ انہیں عوام پر بھرپور اعتماد تھا۔ اقتصادی مسائل میں بھی عوام پر بہت بھروسہ تھا اور دفاعی میدان میں بھی عوام پر انہیں بہت اعتماد تھا۔ اس پر سب توجہ دیں۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ روز اول سے فوج کے پشت پناہ رہے۔ جس شخصیت نے فوج کو ٹوٹنے سے بچایا وہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی۔ مگر اس کے باوجود آپ نے سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کو تشکیل دیا، رضاکار فورس کو تشکیل دیا۔ دفاعی شعبے کو عوامی شعبہ بنا دیا۔ اقتصادی مسائل میں عوام پر اعتماد، دفاعی شعبے

میں عوام پر اعتماد، تعمیراتی شعبے میں عوام پر بھروسہ جس کے تحت تعمیراتی جہاد شروع کیا گیا، تبلیغاتی شعبے میں عوام پر بھروسہ اور سب سے بڑھ کر ملک میں انتخابات کا مسئلہ، ملک اور سیاسی نظام کو چلانے میں عوام کی رائے اور ووٹوں پر اعتماد۔

ہمارے عظیم رہنما کی حاکمیت کا زمانہ دس سال کا ہے۔ دس سال کی اس مدت میں سے آٹھ سال تک جنگ رہی۔ شہروں پر بمباری ہو رہی تھی، تمام محاذوں پر جنگ جاری تھی۔ مگر اس دوران ملک میں تقریباً دس انتخابات ہوئے۔ کوئی بھی الیکشن اپنی معینہ تاریخ سے ایک دن بھی تاخیر سے نہیں ہوا۔ تمام مراحل میں، ہر طرح کے حالات میں حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاکید رہی کہ انتخابات معینہ وقت پر ہوں۔ بعض ملکوں میں یہ دستور ہے کہ ایمرجنسی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن کیلئے بھی ہنگامی حالات کا اعلان نہیں کیا۔ انتخابات کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ الیکشن کے دن سب سے پہلا ووٹ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑتا تھا۔ عوام پر انہیں بڑا یقین تھا اور حقیقی معنی میں عوام کی رائے کا، عوام کے ووٹوں کا اور عوام کے فیصلے کا دل سے احترام کرتے تھے۔ اگر عوام نے کسی مسئلے میں کسی کو منتخب کر لیا اور وہ بعض پہلوؤں سے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو پسند نہیں تھا، تب بھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ عوام کے ووٹوں کا احترام کئے جانے کے قائل تھے۔ عوام کا احترام کرتے تھے۔ ووٹوں کا ان کی نظر میں بہت اعتبار تھا۔ یہ بھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کا ایک اصول ہے۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس معاملے میں اتنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عوام کو ملک کے حکام کا مالک قرار دیا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا کہ عوام ہمارے مالک ہیں۔ کچھ مقامات پر خود کو عوام کا خدمت گزار قرار دیا۔ کہتے تھے:

''اگر مجھے قوم کا خادم کہا جائے تو یہ رہبر و قائد کہنے سے زیادہ بہتر ہے''۔

یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں عوام، عوامی افکار، عوامی ووٹوں اور عوامی شراکت کا کتنا بلند مقام تھا۔ قوم نے بھی بہت مناسب ردعمل پیش کیا۔ میدان میں حاضر رہی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی انگلی کا اشارہ ہوتے ہی عوام دل و جان سے میدان عمل میں اتر آتے۔ یہ جوابی سلوک تھا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو عوام پر اعتماد تھا اور عوام کو امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ پر بھروسہ تھا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ عوام

کو چاہتے تھے اور عوام آپ سے محبت رکھتے تھے۔ یہ باہمی رابطہ ایک فطری امر ہے۔

● چہارم: حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا چوتھا اصول ملک کے داخلی مسائل سے متعلق ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ محروم و نادار طبقات کی حمایت پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ اقتصادی عدم مساوات کے شدید مخالف تھے۔ اشرافیہ کلچر کو سختی سے مسترد کر دیتے تھے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ حقیقی معنی میں سماجی انصاف کے طرفدار تھے۔ پسماندہ طبقات کی حمایت شاید امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر اور بیانات میں بہت زیادہ استعمال ہونے والے فقروں میں سے ایک ہے۔ یہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا روشن راستہ ہے۔ یہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلمہ اصول ہے: ''غربت کو جڑ سے ختم کر دینے کیلئے سب کو محنت کرنی چاہیے''۔ ''سب یہ کوشش کریں کہ محروم اور پسماندہ طبقات محرومیت کی حالت سے باہر آ جائیں''۔ ''جہاں تک ملک کی توانائی اجازت دیتی ہے محروم طبقات کی مدد کی جائے''۔

دوسری جانب امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ملکی حکام کو عیش و عشرت اور پرتعیش زندگی کے بارے میں خبردار کرتے رہتے تھے۔ یہ نکتہ قرآن میں بھی آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ﴾

(اور تم تو ان ہی لوگوں کے مکانات میں ساکن تھے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا)۔[1]

سب کو قصر نشینی کی عادت سے خبردار کرتے رہتے تھے۔ بار بار تاکید فرماتے تھے کہ کمزور طبقات کی وفاداری پر بھروسہ کیجئے۔ یہ بات امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ بار بار کہتے تھے کہ یہ بوریا نشین، فقرا اور محروم طبقات ہی ہیں جو اپنی محرومیت کے باوجود میدان عمل میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ شکوہ بھی نہیں کرتے اور پرخطر میدانوں میں بھی اتر جاتے ہیں، جبکہ وہ لوگ جو زیادہ وسائل سے بہرہ مند ہیں، مختلف حالات میں اگر مشکلات پیش آ جائیں تو وہ زیادہ ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ متوسط طبقات اور غریب طبقات کی وفاداری امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں مسلمہ حقیقت تھی اور اس پر آپ بار بار زور دیا کرتے تھے۔ حکومتی خزانے کے صحیح استعمال کی تاکید کرتے تھے۔ اسراف سے اجتناب پر بہت زور دیتے تھے۔ یہ بھی ایک

---

[1] سورۂ ابراہیم، آیت ۴۵۔

بنیادی اصول ہے۔ سماجی انصاف کا مسئلہ، محروم طبقات کی حمایت، اشرافیہ کلچر سے دوری، شان وشوکت کی زندگی سے اجتناب اور اس ہدف کیلئے محنت بھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کا اہم اصول ہے۔

● پنجم: حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا پانچواں اصول خارجہ پالیسی سے متعلق ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ آشکارا طور پر عالمی استکبار اور بین الاقوامی غنڈوں کے مخالف محاذ کا حصہ تھے اور اس سلسلے میں کبھی تکلف سے کام نہیں لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ دنیا کی استبدادی طاقتوں، مستکبرین اور بین الاقوامی غنڈوں کے مقابلے میں مظلوموں کا ساتھ دیتے تھے اور مظلوموں کی حمایت میں کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ اس موقف کو صریحی طور پر دوٹوک انداز میں بیان بھی کرتے تھے اور اسے چھپانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ دنیا کے مظلوموں کی خلوص دل سے حمایت کرتے تھے۔

حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ظالموں و جابروں سے کسی مفاہمت کے قائل نہیں تھے۔ امریکہ کیلئے ''بڑے شیطان'' کی اصطلاح آپ کی ایک عجیب ایجاد تھی۔ ''بڑے شیطان'' کی اصطلاح کا عملی اور فکری دائرہ بہت وسیع ہے۔ جب آپ کسی شخص یا نظام کو شیطان مان چکے ہیں تو پھر یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ اس کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے، اس کے بارے میں آپ کے تاثرات اور خیالات کیسے ہوں۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ زندگی کے آخر تک امریکہ کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے۔ آپ ''بڑے شیطان'' کی اصطلاح بھی استعمال کرتے رہے اور تہہ دل سے اس پر یقین بھی رکھتے تھے۔ اس کے برخلاف ابتدائے انقلاب سے ہی کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اس بات پر توجہ نہیں دیتے تھے کہ امریکہ طاغوتی اور شاہی حکومت کا پشت پناہ اور سرپرست ہے جس کا خاتمہ ایرانی قوم کیا تھا۔ ایرانی قوم نے طاغوتی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو ملک کے اندر امریکیوں کی موجودگی، امریکیوں کی سرگرمیوں، یہاں تک کہ بعض امریکی اداروں کی سرگرمیوں کے جاری رہنے کے حق میں تھے۔ عبوری حکومت اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بنیادی اختلاف ہی اسی بات پر تھا۔ ہم قریب سے اس کا مشاہدہ کرتے تھے۔ وہ لوگ اس بات پر توجہ نہیں دے رہے تھے کہ امریکہ طاغوتی حکومت کا پشت پناہ ہے۔ جو اس وقت تو ختم ہو چکی ہے، لیکن اسے تقویت اور غذا پہنچانے والا

نظام ابھی باقی ہے اور وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ اگر اسے موقع ملا اور اگر ایک بار پھر میدان اس کے ہاتھ میں آ گیا تو دوبارہ اپنا کام شروع کر دے گا اور وار کرے گا۔ کمزوریوں کو تلاش کرے گا اور پھر انہی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس پر ان کی توجہ نہیں تھی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو واضح طور پر دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ جاسوسی کے مرکز (تہران میں امریکی سفارت خانہ) پر طلبہ کا قبضہ ہو جانے کے مسئلے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو موقف اختیار کیا اس کی بنیاد آپ کی یہی فکر تھی۔ دنیا میں بعض لوگوں نے اس نکتے پر توجہ نہیں دی اور اس کا خمیازہ انھیں بھگتنا پڑا۔ ہم اس وقت کسی کی ملامت اور سرزنش نہیں کرنا چاہتے، لیکن کچھ لوگوں کو یہ چوٹ کھانی پڑی۔ اس لئے کہ انہوں نے رجعت پسند اور سامراج نواز حکومت کو تو گرا دیا، لیکن اس کی پشت پناہی کرنے والی طاقت کو نظر انداز کر دیا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے پشت پناہی کرنے والے نظام کو روز اوّل سے ہی مدنظر رکھا اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسی لئے آخر تک امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ امریکہ اور اس ملک کے سیاسی و سکیورٹی اداروں کے خلاف اپنے موقف پر قائم رہے۔

دوسری جانب حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پورے عرصے میں فلسطینی عوام کی حمایت جاری رکھی اور فلسطین کا دفاع کیا۔ فلسطین کا بھی دفاع کیا اور افغانستان کا بھی دفاع کیا۔ جب سوویت یونین کی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں تو اس وقت ہم امریکہ کی دشمنی کا شکار تھے، لیکن پھر بھی ہمارے عظیم الشان رہنما نے ان حالات میں بھی سوویت یونین کے خلاف ٹھوس موقف اختیار کیا۔ ایسا دوٹوک موقف تو بعض ایسی حکومتوں نے بھی نہیں اختیار کیا جو مغرب کی جانب جھکاؤ رکھتی تھیں، لیکن امام رحمۃ اللہ علیہ نے دوٹوک انداز میں افغانستانی قوم کی حمایت کی، لبنان کے عوام کی حمایت کی، فلسطینیوں کی پورے خلوص کے ساتھ حمایت کی۔ سامراج سے مقابلے کے سلسلے میں یہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت عملی ہے۔ اسی فکر کی بنیاد پر دنیا کے مسائل کی اصل حقیقت کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اس کے بارے میں درست موقف کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

آج ہم عراق اور شام میں دہشت گرد تنظیم داعش کے ظالمانہ اور وحشیانہ طرز عمل کی جس سختی کے

ساتھ مخالفت کرتے ہیں، امریکہ کے اندر ایف بی آئی کے ظالمانہ رویے کے بھی ہم اتنے ہی مخالف ہیں۔ یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ ہم غزہ کے ظالمانہ محاصرے کے بھی اتنے ہی مخالف ہیں جتنے یمن کے مظلوم اور بے سہارا عوام پر ہونے والی بمباری کے مخالف ہیں۔ ہم بحرین میں عوام کے ساتھ کئے جانے والے سخت گیرانہ برتاؤ کے بھی اتنے ہی مخالف ہیں۔ ہم افغانستان اور پاکستان میں عوام پر امریکہ کے ڈرون طیاروں کے حملوں کے بھی خلاف ہیں۔ یہ منطق اور یہ طرز فکر امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جہاں بھی ظلم ہو رہا ہے وہاں دو فریق ہوں گے: ظالم اور مظلوم۔ ہم مظلوم کے طرفدار ہیں، ظالم کے مخالف ہیں۔ یہ ایک مستقل موقف ہے جسے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ واضح طور پر بیان کرتے تھے۔ یہ ان کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اسی وجہ سے آج بھی مسئلہ فلسطین ہمارے لئے بنیادی اور حیاتی مسئلہ ہے۔ یہ بات سب سن لیں! مسئلہ فلسطین اسلامی جمہوریہ ایران کے ایجنڈے سے کبھی خارج نہیں ہوگا۔ مسئلہ فلسطین اسلامی نقطہ نظر سے واجب و لازم جہاد کا میدان ہے۔ کوئی بھی واقعہ ہمیں مسئلہ فلسطین سے جدا نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ کچھ ایسے عناصر ہوں جو مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں اپنے فرائض پر عمل نہ کریں۔ ان کا معاملہ الگ ہے۔ لیکن فلسطین کے عوام، فلسطین کی قوم اور فلسطینی مجاہدین کو ہمیشہ ہماری حمایت حاصل رہے گی۔

● ششم: حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کا ایک اور بنیادی اصول، ملک کی خودمختاری اور استقلال پر زور اور بیرونی تسلط کی نفی ہے۔ یہ بھی بہت اہم باب ہے۔ میں نے گزشتہ سال اسی اجتماع میں سامعین کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ خودمختاری کا مطلب ایک قوم اور ملت کی سطح کی آزادی ہے۔ یہ ہے خود مختاری کا مفہوم۔ اب اگر کچھ لوگ زبان سے ذاتی اور شخصی آزادی کے خوب نعرے لگائیں، لیکن ملکی خودمختاری کے خلاف بات کریں تو یہ کھلا تضاد ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ افراد کی شخصی آزادی تو محترم ہو لیکن مخالفین اور اغیار کی پابندیوں کے مد مقابل ایک قوم کی آزادی، ملکی سطح کی آزادی محترم نہ ہو! یہ بالکل قابل فہم نہیں ہے۔ یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو ملکی خود مختاری کی نفی کیلئے تھیوریاں پیش کرتے ہیں۔ خودمختاری کو کبھی تنہا ہو جانے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ کبھی اس نکتے پر قلم فرسائی کرتے ہیں کہ آج کی دنیا میں ملکوں کی خودمختاری کا شمار اقدار میں نہیں ہوتا۔

اس موضوع پر تقریریں کرتے ہیں۔ یہ باتیں معاشرے کے اندر پھیلتی ہیں۔ کچھ لوگ اس نہج پر کام کرتے ہیں۔ یہ بہت غلط بدعت ہے۔ یہ بہت بڑی اور خطرناک غلطی ہے۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ملک کی خودمختاری کے قائل تھے۔ بیرونی تسلط کی نفی کرتے تھے۔ ان گزشتہ برسوں کے دوران ہمارے دشمنوں نے وطن عزیز کے خلاف اور ہماری قوم کے خلاف جو پے در پے اقدامات انجام دیئے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس خودمختاری کو متاثر کریں۔ خواہ پابندیوں کے ذریعے، یا دھمکیوں کے ذریعے، انہوں نے ہماری خودمختاری کو ہی نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ سب کو چاہیے کہ ہوشیار رہیں اور دیکھیں کہ دشمن کے اہداف کیا ہیں۔ تو یہ بھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کا ایک اور اہم اصول ہے۔

● ہفتم: حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کا ایک اور اہم اصول جو آخری بات کے طور پر میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں، قومی اتحاد کا مسئلہ ہے۔ تفرقہ اندازی کی سازشوں پر خواہ وہ تفرقہ مذہب و مسلک کے نام پر ہو، شیعہ سنی اختلاف کے نام پر ہو یا قومیت کی بنیاد پر، فارس، عرب، ترک، کرد، لر اور بلوچ کے نام پر ہو، پوری توجہ رہنی چاہیے۔ اختلاف اور تفرقہ انگیزی دشمن کی بہت بڑی اور اہم چال ہے اور حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع ہی سے قومی اتحاد اور عوام کی یکجہتی پر حد درجہ توجہ دی اور یہ آپ کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ آج ہمیں بھی اس راستے پر چلنا چاہیے۔

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ عالم اسلام میں تفرقے کے بیج بونا عالمی استکبار کی بہت اہم پالیسی کا حصہ ہے۔ امریکی اب اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ باقاعدہ شیعہ اور سنی کا نام لیتے ہیں۔ شیعہ اسلام اور سنی اسلام، پھر ان میں سے ایک کی حمایت کرتے ہیں اور دوسرے پر تنقید کرتے ہیں، جبکہ اسلامی جمہوریہ ایران نے پہلے دن سے ہی مسلکی اختلاف کے سلسلے میں بالکل مساویانہ موقف اختیار کیا۔ ہم نے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ جو سنی ہیں بالکل ویسا ہی برتاؤ کیا جیسا برتاؤ ہم نے حزب اللہ لبنان کے ساتھ کیا جو شیعہ تنظیم ہے۔ ہم نے ہر جگہ ایک ہی نہج پر کام کیا ہے۔ ملک کے اندر ہمارے عظیم رہنما حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ تھا کہ دنیائے اسلام کی سطح پر اسلامی جمہوریہ ایران کا طرز عمل اور نقطہ نظر، اُمت ساز طرز عمل ہے۔ یہ جو امریکہ کے دوسرے درجے کے مہرے آکر ''ہلال شیعی'' کی بات کرتے

ہیں، اس سے تفرقہ انگیز سیاست کی بو آتی ہے۔ یہ جو امریکی اپنے تمام تر تبلیغاتی پروپیگنڈوں کے برخلاف عراق وشام میں تفرقہ پھیلانے والے تکفیری گروہوں سے تعاون کررہے ہیں، کبھی کبھی بعض موارد میں خاموشی سے اور خفیہ طور پر مدد کرتے ہیں، جبکہ ان کے آلہ کار اور مہرے اعلانیہ طور پر مدد کررہے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ومسلمانوں کے دشمنوں اور اسلامی جمہوریہ کے دشمنوں کی نظر میں تفرقہ انگیزی کا معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس پر سب توجہ دیں! شیعہ بھی توجہ دیں اور اہل سنت بھی توجہ دیں۔ دشمن کے فریب میں نہ آئیں۔ وہ سنی جس کی پشت پناہی امریکہ کرتا ہے اور وہ شیعہ جو لندن کے سینٹر سے برآمد ہوتا ہے، دونوں ایک جیسے ہیں۔ یہ دونوں ہی شیطان کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں ہی امریکہ، مغرب اور استکبار کے غلام ہیں۔

اس سال کے آغاز میں ہم نے باہمی اخوت ویکجہتی پر جو زور دیا اور اس کے بعد بھی بارہا اس موضوع کا اعادہ کیا، اس کی وجہ یہی ہے۔ ملک کے اندر گوناگوں قوموں اور مسلکوں سے تعلق رکھنے والے عزیز بھائی اور بہنیں آپس میں متحد ہوکر ایسے دوسرے کا مضبوط بازو بن جائیں، بالکل اسی طرح جیسے اب تک وہ متحد رہے ہیں۔ دشمن کو دنیائے اسلام کے حدود میں قدم رکھنے کا موقع نہ دیں۔ وسیع سطح پر اہل سنت بھائی اور اہل تشیع ایک ساتھ رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ ہم سب کا ایک دشمن ہے جو اسلام کے وجود کیلئے خطرہ ہے۔ یہ بھی ایک بنیادی اصول ہے۔

میں نے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کے سات بنیادی اصول بیان کئے ہیں۔ البتہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول انہی سات اصولوں تک محدود نہیں ہیں۔ دوسرے افراد بھی مطالعہ کریں، لیکن یہ نہ ہو کہ اگر کسی کو کوئی بات پسند آرہی ہے تو اسے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کردے۔ ہم جس بات کو بھی حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کریں وہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مآخذ میں موجود ہونی چاہیے اور وہ بھی مکرر طور پر اور دائمی طور پر نظر آئے جس طرح یہ سات اصول نظر آتے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر کا آپ شروع سے لیکر آخر تک جائزہ لیجئے تو کئی سال کی ان کی تقاریر میں یہ نکات تواتر کے ساتھ نظر آتے ہیں، لہٰذا یہ اصول قرار پائیں گے۔ اسی نہج پر دوسرے لوگ بھی کوشش

کریں، اصول اخذ کریں۔ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کسی کو بھی اپنے سے قریب یا دور انہی اصولوں کی بنیاد پر کرتے تھے۔ ہم بھی کچھ لوگوں کو اپنے سے قریب یا دور کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ اگر کسی کو اپنے سے قریب یا دور کریں تو انہی اصولوں کی بنیاد پر کریں۔

سب لوگ یہ بات بھی سمجھ لیں کہ ہمارے دشمن جو الگ الگ روپ میں نظر آتے ہیں، کبھی اکڑ جاتے ہیں، کبھی مسکرانے لگتے ہیں، کبھی وعدے کرتے ہیں، کبھی دھمکیاں دیتے ہیں، ان کا اصلی مقصد ملک پر تسلط حاصل کرنا ہے۔ دشمن چاہتا ہے کہ اس ملک پر اس کے مکمل تسلط کا دور پھر سے بحال ہو جائے۔ اسلام چونکہ اس صورت حال کے خلاف ہے اور دشمن کی اس سازش کے مقابلے میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام ہے، اس لئے وہ اسلام کے بھی دشمن ہیں۔ دشمنوں کی جانب سے اسلام کی مخالفت اس لئے ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام ان کے سامنے ایک محکم دیوار کی مانند ہیں۔ ہماری قوم کے وہ مخالف ہیں، کیونکہ ایرانی قوم مضبوط چٹان اور پہاڑ کی مانند ان کے سامنے کھڑی ہے۔ قوم کے اندر جو کوئی بھی دشمن کے مقابلے میں زیادہ استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے، دشمن اس کا زیادہ مخالف ہو جاتا ہے۔ مومن افراد کے وہ زیادہ مخالف ہیں، انقلابی اداروں اور تنظیموں سے ان کی دشمنی زیادہ ہے، دیندار مکتبی افراد اور مومن و انقلابی افراد سے ان کی دشمنی اور عداوت بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ دشمنوں کو معلوم ہے کہ ان کے اثر و نفوذ کے راستے میں زیادہ بڑی رکاوٹ یہی طاقتیں ہیں۔

دشمن اپنا تسلط قائم کرنے کی فکر میں ہے اور اس کی پوری کوشش ہے کہ اسلامی جمہوری نظام کے ذریعے جاری اسلامی تحریک کو جو اس قوم کی ترقی و پیشرفت اور سربلندی کا سبب بنی ہے، روک دے۔ ایک پرانے امریکی سیاستداں نے کہا تھا کہ: ''تکفیری دہشت گرد گروہ ہم مغرب والوں کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ اگر موجود رہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمارے لئے سب سے بڑا مسئلہ اسلامی جمہوریہ ایران ہے، کیونکہ ایران ایک عظیم تمدن کی تشکیل کیلئے کوشاں ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اسلامی جمہوریہ ایران کو اپنا سب سے بڑا مخالف اور سب سے اہم دشمن سمجھیں''۔

البتہ اس سیاسی رہنما نے ''سامراج'' کا لفظ استعمال کیا تھا جو بالکل بے محل تھا۔ اس بات سے

''امت واحدہ بنانے'' کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہمارے آج کے معروضات یہ تھے جو میں نے آپ عزیز بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ سب کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔ آپ دور دراز کے علاقوں سے اور مختلف شہروں سے، یہاں تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی حفاظت فرمائے۔

پروردگارا! تجھے محمد وآل محمد علیہم السلام کا واسطہ، اس عظیم اور لائق قوم پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ پروردگارا! اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اس عظیم انسان پر، اس عظیم رہنما پر، جس نے ہمارے لئے اس نورانی راستے کو کھولا۔ پروردگارا! ہمیں اس راستے کے سچے پیروکاروں میں شامل فرما اور اسی راستے پر ہمیں شہادت نصیب فرما۔ پروردگارا! حضرت امام زمانہ ارواحنا فداہ کے قلب مبارک کو ہم سے راضی اور خوشنود فرما۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

*****

ہر حال میں یادِ الٰہی

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنَ (ع) لَمْ یُرَ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ اَحْوَالِہٖ اِلَّا ذَاکِرًا اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو جس حال میں بھی دیکھا، آپؑ یادِ الٰہی میں ہوتے تھے۔

(امالی شیخ صدوقؒ، ص ۱۷۹)

قسط:11

شیعہ اسلامی عقائد

{امام شناسی}

از: علامہ سیّد محمد حسین طباطبائیؒ

امام علیؑ اور اولاد علیؑ کی امامت کے بارے میں احادیث:

ذیل میں کچھ ایسی احادیث نقل کی جاتی ہے جن کا تعلق غدیر خم، حضرت علی علیہ السلام کی ولایت اور اہلبیت رسولؐ کی اہمیت سے متعلق ہے۔

ا۔حدیث غدیر:

حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے مقام پر توقف فرمایا، مسلمانوں کو جمع کیا اور ایک خطبہ دینے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی مسلمانوں کے رہنما اور پیشوا کی حیثیت سے نامزدگی کا اعلان فرمایا۔ جناب براء بن عاذب بیان کرتے ہیں:

قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَلَمَّآ اَتَيْنَا عَلٰى غَدِيْرِ خُمٍّ كُشِحَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَتَيْنِ وَ نُوْدِيَ فِي النَّاسِ: الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ وَ دَعَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَلِيًّا وَ اَخَذَ بِيَدِهٖ فَاَقَامَهٗ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَقَالَ: اَلَسْتُ اَوْلٰى بِكُلِّ امْرَءٍ مِّنْ نَّفْسِهٖ؟ قَالُوْا: بَلٰى. قَالَ: فَاِنَّ هٰذَا مَوْلٰى مَنْ اَنَا مَوْلَاهُ. اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ. فَلَقِيَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: هَنِيْئًا لَكَ اَصْبَحْتَ

وَ اَمْسَیْتَ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّ مُؤْمِنَۃٍ۔

میں حجۃ الوداع کے سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ جب ہم غدیر خم پہنچے تو آنحضرتؐ کے حکم پر دو درختوں کے نیچے جگہ کو صاف کیا گیا اور لوگوں کو نماز کیلئے جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ (نماز کے بعد) آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے دائیں جانب کھڑا کیا اور اصحاب سے خطاب کر کے فرمایا: ''کیا میں تم لوگوں پر خود تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا ہوں؟''۔ تمام اصحاب نے جواب دیا: کیوں نہیں، (آپؐ کو ہم پر ہم سے زیادہ اختیار حاصل ہے)۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''یہ (حضرت علیؑ) ہر اس شخص کے مولا ہیں جس کا میں مولا ہوں۔ اے پروردگار! علیؑ کے دوستوں کو دوست رکھ اور اس کے دشمنوں کو دشمن رکھ''۔ اس موقع پر حضرت عمر بن خطابؓ کا حضرت علی علیہ السلام سے سامنا ہوا تو انہوں نے کہا: آپؑ کو یہ منصب مبارک ہو، کیونکہ آپؑ میرے اور سب مومنینؑ کے مولا بن گئے ہیں۔[1]

۲۔ حدیث سفینہ:

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَّکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ۔

میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے۔ جو کوئی اس کشتی میں سوار ہو جائے گا نجات پائے گا اور جو کوئی اس میں سوار ہونے سے رہ جائے گا وہ غرق ہو جائے گا۔[2]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج ۵، ص ۲۰۸ اور ج ۷، ص ۳۴۶۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۷۔ الفصول المہمۃ، ج ۲، ص ۲۳۔ الخصائص، نسائی، ص ۷۹۔ اسی طرح علامہ بحرانی نے ''کتاب 'غایۃ المرام'' کے ص ۷۹ پر اس حدیث کو اہل سنت کے ۸۹ اور اہل تشیع سے ۴۳ اسناد سے نقل کیا ہے۔

[2] ذخائر العقبیٰ، ص ۲۰، الصواعق المحرقہ، ص ۱۵۰ تا ۱۸۴۔ تاریخ الخلفاء، ص ۳۰۷۔ ''نور الابصار، شبلنجی، ص ۱۱۴۔ نیز بحرانی نے کتاب ''غایۃ المرام'' کے ص ۲۳۷ پر اس حدیث کو اہلسنت سے گیارہ راویوں اور اہل تشیع سے سات راویوں سے نقل کیا ہے۔

۳۔حدیث ثقلین:

زید بن ارقم نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَاَنِّیْ قَدْ دُعِیْتُ فَاَجَبْتُ. اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ. فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْھِمَا وَلَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے اور میرے لئے ضروری ہے کہ اس دعوت کو قبول کرلوں، لیکن تمہارے درمیان دو بڑی اور قیمتی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میرے اہلبیتؑ ہیں۔ اس بات کا خیال رکھو کہ تم ان کے ساتھ کیسا سلوک رکھتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی حتیٰ کہ (جنت میں) کوثر پر میرے پاس آ پہنچیں۔[1]

حدیث ثقلین مسلم اور قطعی حدیثوں میں سے ہے جو بہت سی سندوں اور مختلف عبارتوں کے ساتھ روایت کی گئی ہے اور سنی اور شیعہ اس کی صحت کے بارے میں متفق ہیں۔ اس حدیث سے اور اسی جیسی دوسری حدیثوں میں سے کئی ایک باتوں کا پتہ چلتا ہے:

- ۱۔جیسا کہ قرآن مجید قیامت کے دن تک باقی رہے گا، اسی طرح عترت رسول بھی قیامت تک باقی رہے گی، یعنی کوئی زمانہ بھی حقیقی پیشوا سے خالی نہیں رہے گا جسے شیعہ ''امام'' کہتے ہیں۔
- ۲۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو عظیم امانتوں کے ذریعے مسلمانوں کی تمام علمی اور دینی ضروریات پوری کردی ہیں۔ آپؐ نے اپنے اہلبیتؑ کا تعارف مرجع علمی کی حیثیت سے کرایا ہے اور ان کے اقوال اور اعمال کے معتبر ہونے کی توثیق کردی ہے۔
- ۳۔قرآن مجید اور اہلبیتؑ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے اور کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ

---

[1] البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۰۹۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۶۔ الفصول المہمۃ، ص ۲۲۔ خصائص، صفحہ ۳۰۔ الصواعق المحرقہ، ص ۱۴۷۔ ''غایۃ المرام'' میں یہ حدیث سنی مدارک سے ۳۹ طرق اور شیعہ مدارک سے ۸۲ طرق سے نقل کی گئی ہے۔

اہلبیت رسولؐ کے علوم کو رد کردے اور ان کے احکام اور ہدایات کی خلاف ورزی کرے۔

- ۴۔ اگر لوگ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی اطاعت کریں اور ان کی ہدایت کی پیروی کریں تو وہ کبھی گمراہ نہیں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے ساتھ ہوگا۔
- ۵۔ لوگوں کی تمام ذہنی اور دینی ضروریات کا جواب اہل بیت اطہار علیہم السلام کے پاس موجود ہے۔ جو کوئی بھی ان کی پیروی کرے وہ گمراہی میں نہیں پڑ سکتا اور حقیقی خوش بختی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ یعنی اہل بیتؑ ہر قسم کی غلطی اور خطا سے پاک اور معصوم ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''اہلبیتؑ'' اور ''عترت'' سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد اور اقرباء نہیں ہیں، بلکہ کچھ مخصوص افراد ہیں جو علوم دین پر کامل دسترس رکھتے ہیں اور ہر قسم کی غلطی اور گناہ سے پاک ہیں تا کہ وہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کر سکیں۔ اہل تشیّع کے مطابق وہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے گیارہ فرزند ہیں جو یکے بعد دیگرے منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اس نقطہ نگاہ کی تائید روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾

قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ قَرَابَتُكَ الَّذِيْنَ افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْنَا مَوَدَّتَهُمْ؟

قَالَ: عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَ وَلَدَاهُمَا۔

جب آیہ مودّت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی: یا رسولؐ اللہ! آپؐ کے وہ اقربا کون کون ہیں جن سے محبت رکھنا واجب ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''علیؑ، فاطمہؑ، اور ان کے دو فرزند (امام حسنؑ اور امام حسینؑ)''۔[1]

جناب جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ تَعَالٰى جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ مِنْ صُلْبِهٖ وَ جَعَلَ ذُرِّيَّتِيْ مِنْ صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

---

[1] ینابیع المودۃ، سلیمان بن ابراہیم قندوزی، ج ۳، ص ۱۳۷۔

اللہ نے ہر نبی کی ذریت کو اس کی صلب میں قرار دیا ہے، لیکن اس نے میری
ذریت کو علی علیہ السلام کی صلب میں قرار دیا ہے۔[1]

۴۔حدیث حق:

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَ الْقُرْاٰنِ وَ الْحَقُّ وَ الْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ وَّ لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔

علی علیہ السلام حق اور قرآن کے ساتھ اور حق و قرآن بھی علی علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے حتی کہ میرے پاس کوثر پر پہنچیں۔[2]

۵۔حدیث منزلت:

جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔[3]

۶۔حدیث دعوت ذوالعشیرہ:

روایات کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اعزہ و اقربا کو کھانے کی دعوت دی اور جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو ان سے فرمایا:

---

[1] ینابیع المودۃ، ص ۳۱۸۔

[2] غایۃ المرام، ص ۳۵۹۔ اس کتاب میں اس حدیث کو سنی مدارک سے ۱۵ طرق اور شیعہ مدارک سے ۱۱ طرق سے نقل کیا گیا ہے۔

[3] البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۳۳۹۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۳۔ الفصول المہمۃ، ص ۲۱۔ کفایۃ الطالب، گنجی شافعی، ص ۱۴۸ تا ۱۵۴، مطبوعہ نجف، ۱۳۵۶ھ۔ خصائص، ص ۱۹ تا ۲۵۔ الصواعق المحرقۃ، ص ۱۷۷۔ غایۃ المرام، ص ۱۰۹ میں یہ حدیث سنی مدارک سے ۱۰۰ طریقوں سے اور شیعہ مدارک سے ۷۰ طریقوں سے نقل کی گئی ہے۔

مَآ اَعْلَمُ اِنْسَانًا فِی الْعَرَبِ جَآءَ قَوْمَهٗ بِاَفْضَلِ مِمَّا جِئْتُکُمْ بِهٖ. قَدْ جِئْتُکُمْ بِخَیْرِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ قَدْ اَمَرَنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ اَدْعُوَکُمْ اِلَیْهِ فَاَیُّکُمْ یُؤَازِرُنِیْ عَلٰی هٰذَا الْاَمْرِ عَلٰی اَنْ یَّکُوْنَ اَخِیْ وَ وَصِیِّیْ وَ خَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ۔

مجھے کسی ایسے شخص کا علم نہیں جو اپنی قوم کیلئے اس سے بہتر چیز لایا ہو جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔ تم میں ایسا کون ہے جو اس معاملے میں میری مدد کرے اور تمہارے درمیان میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہو۔

روایت کہتی ہے کہ سب خاموش رہے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے عرض کی:

وَ اَنَا یَا نَبِیَّ اللّٰهِ! اَکُوْنُ وَزِیْرَکَ عَلَیْهِمْ۔

اے اللہ کے نبی! میں آپ کا وزیر اور مددگار بنوں گا۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کی گردن پر رکھا اور باقی لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

اِنَّ هٰذَا اَخِیْ وَ وَصِیِّیْ وَ خَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَ اَطِیْعُوْا۔

یہ میرا بھائی وصی اور خلیفہ ہے، تمہیں چاہیے کہ اس کی بات کو سنو اس کی اطاعت کرو۔

اس پر سب اٹھ کر جانا شروع ہو گئے اور ساتھ میں ہنس رہے تھے اور حضرت ابو طالبؑ سے کہہ رہے تھے:

قَدْ اَمَرَکَ اَنْ تَسْمَعَ لِابْنِکَ وَ تُطِیْعَ۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی بات کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔[1]

جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم علی علیہ السلام کو میرا خلیفہ اور جانشین بنالو اور میرا خیال ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے تو تم

---

[1] تاریخ ابی الفداء، ج ۱، ص ۱۱۶۔

اسے ایک بابصیرت رہنما پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستے کی جانب چلائے گا۔[1]

ابن مردویہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَحْيَا حَيَاتِيْ وَ يَمُوْتَ مَمَاتِيْ وَ يَسْكُنَ جَنَّةَ عَدْنٍ غَرَسَهَا رَبِّيْ فَلْيُوَالِ عَلِيًّا مِنْ بَعْدِيْ وَ لْيُوَالِ وَلِيَّهُ وَ لْيَقْتَدِ بِالْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِيْ فَاِنَّهُمْ عِتْرَتِيْ خُلِقُوْا مِنْ طِيْنَتِيْ وَ رُزِقُوْا فَهْمًا وَ عِلْمًا. وَيْلٌ لِلْمُكَذِّبِيْنَ بِفَضْلِهِمْ مِنْ اُمَّتِيْ. الْقَاطِعِيْنَ مِنْهُمْ صِلَتِيْ لَا اَنَالَهُمُ اللّٰهُ شَفَاعَتِيْ۔

جو شخص میرے جیسی زندگی اور موت چاہے اور بہشت میں داخل ہونے کی خواہش کرے، اسے چاہیے کہ میرے بعد علی علیہ السلام سے محبت کرے اور میرے اہل بیت علیہم السلام کی پیروی کرے، کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا کئے گئے ہیں اور میرا علم اور فہم انہیں عطا کیا گیا ہے۔ پس وائے ہو ان لوگوں کے حال پر جو ان کی فضلیت سے انکار کریں، ان سے قطع تعلق کر کے مجھ سے قطع تعلقی کے مرتکب ہوں، ایسے لوگوں کو قیامت کے دن اللہ میری شفاعت ہرگز نصیب نہیں کرے گا۔[2]

سابقہ بیان کی تائید میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے بارے میں اہل تشیع کی دلیل زیادہ تر اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ اپنی بیماری کے آخری ایام میں جب کچھ صحابہ کرام بھی موجود تھے، آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ: کاغذ اور دوات لائی جائے[3]، تاکہ آپؐ ایک ایسی چیز لکھوا دیں جس کی پیروی کرنے پر لوگ گمراہ نہ ہوں۔ جو لوگ موجود تھے ان میں سے بعض نے یہ خیال کیا کہ آپؐ اس قدر علیل ہیں کہ کوئی چیز لکھوانے کے قابل نہیں، چنانچہ انہوں نے کہا: ''ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے''۔ اس معاملے پر اس قدر شور وغل مچا

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، ج ۱، ص ۶۴، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۱ھ۔ کفایۃ الطالب، ص ۶۷۔

[2] منتخب کنز العمال، مسند احمد کے حاشیے پر، ج ۵، ص ۹۴، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۶۸ھ۔ کنز العمال، ج ۱۲، ص ۱۹۴، حدیث ۳۴۱۹۸۔

[3] البدایۃ والنہایۃ، ج ۵، ص ۲۲۷۔ الکامل، ج ۲، ص ۱۲۷۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۴۳۶۔

کہ آنحضرت ﷺ نے سب کو چلے جانے کا حکم دیا، کیونکہ نبی کریمؐ کی موجودگی میں شور وغوغا برپا کرنا جائز نہیں ہے۔

جانشینی کے متعلق احادیث کے بارے میں جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اور جو واقعات رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد رونما ہوئے ان کی بنا پر اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے جانشین کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ اس سے شیعہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے جانشین کے متعلق اپنی قطعی رائے کا اظہار کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ ﷺ ایسا نہ کر سکے۔ چند حاضرین نے جو کلمات کہے ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد الجھن پیدا کرنا تھا تا کہ آنحضرت ﷺ اپنے حتمی فیصلے کا اعلان نہ کر سکیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے کلام کو قطع کرنے کا مقصد وہ نہیں تھا جو بظاہر نظر آتا ہے یعنی یہ کہ کہیں بیماری کی شدت کی وجہ سے آپؐ کوئی مہمل الفاظ کہہ دیں، کیونکہ:

٭ پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی علالت کے دوران آپ ﷺ کو کوئی مہمل اور بے معنی الفاظ ادا کرتے نہیں سنا گیا اور ان سے متعلق کوئی ایسی چیز روایت نہیں کی گئی۔ علاوہ ازیں اسلام کے اصولوں کے مطابق نبی معصوم ہوتا ہے اور اس پر ہذیانی کیفیت ہرگز طاری نہیں ہوتی۔

٭ دوم یہ کہ بعض حاضرین نے اس موقع پر رسول اکرم ﷺ کے سامنے جو کچھ کہا، اگر وہ اس کے متعلق سنجیدہ تھے تو پھر دوسرا جملہ (یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے) کہنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ یہ ثابت کرنے کیلئے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ کوئی مہمل چیز کہیں، ان کی بیماری کی دلیل دی جانی چاہیے تھی، نہ یہ کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ارشادات رسولؐ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ کسی مسلمان سے یہ بات مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ خود قرآن مجید نبی کو واجب الاطاعت قرار دیتا ہے اور ایک لحاظ سے ان کے کلام کو اللہ کا کلام گردانتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ دونوں کے احکامات کی اطاعت کریں۔

٭ سوم یہ ایسی ہی بیماری کی صورت پہلے خلیفہ کی زندگی کے آخری دنوں میں بھی پیدا ہو گئی تھی اور انہوں

نے اپنی آخری وصیت میں دوسرے خلیفہ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ جب خلیفہ کے حکم کے مطابق حضرت عثمان ان کی وصیت لکھ رہے تھے تو خلیفہ کو غش آ گیا تاہم حدیث ''قلم وقرطاس'' کے مطابق جو الفاظ دوسرے خلیفہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہے تھے اس موقع پر نہیں دہرائے۔[1]

اس امر کی تصدیق حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ ایک حدیث میں کی گئی ہے۔[2]

علاوہ ازیں دوسرے خلیفہ کے بارے میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے کہا:

> علی علیہ السلام خلافت کے مستحق تھے، لیکن قریش ان کی خلافت کو برداشت نہ کرتے، کیونکہ اگر وہ خلیفہ بن جاتے تو لوگوں کو دین حق اور راہ راست پر چلاتے۔ ان کے خلیفہ ہوتے ہوئے وہ (قریش) عدل وانصاف کی حدود کو نہ پھلانگ سکتے اور ان کے خلاف جنگ پر کمر بستہ ہو جاتے۔[3]

بلاشبہ دینی اصولوں کے مطابق یہ ضروری ہے کہ جو شخص حق سے ہٹ گیا ہو اس کو حق کی پیروی کرنے پر مجبور کیا جائے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جو شخص حق کے خلاف چلے اس کی خاطر حق کو ترک کر دیا جائے۔ جب پہلے خلیفہ کو اطلاع دی گئی کہ کچھ مسلمان قبیلوں نے زکات دینے سے انکار کر دیا ہے تو انہوں نے جنگ کا حکم دیا اور کہا ''اگر وہ مجھے محصول ادا نہیں کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو میں ان کے خلاف جنگ کروں گا۔[4]

ظاہر ہے کہ یہ کہنے سے ان کا یہ مطلب تھا کہ حق و انصاف کا احیا ہر قیمت پر ضروری ہے۔ بلاشبہ خلافت حقہ کا مسئلہ محصول سے زیادہ اہم تھا اور شیعہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس اصول کا اطلاق پہلے خلیفہ نے محصول کے معاملے پر کیا تھا اسی کا اطلاق ساری امت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے مسئلے پر کرنا چاہیے تھا۔

---

[1] الکامل، ج ۲، ص ۲۹۲۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۵۴۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۳۴۔

[3] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۳۷۔

[4] البدایۃ والنہایۃ، ج ۶، ص ۳۱۱۔

معارف الٰہیہ کے بیان میں امامت کا کردار

معرفت نبی کی بحث کے سلسلے میں یہ کہا گیا تھا کہ عام ہدایت کے ناقابل تغیر اور ضروری قانون کے مطابق جو انواع پیدا کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک کی رہنمائی تکوین اور تخلیق کے راستے سے اس کی اپنی نوع کے کمال اور خوش بختی کی جانب کی جاتی ہے۔ بنی نوع انسان بھی اس عام قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے اور ضروری ہے کہ واقع بینی اور معاشرتی انداز فکر کی جبلّت کے ذریعے اس کی اس طرح رہنمائی کی جائے کہ وہ اس دنیا میں بھی خوش بختی سے ہمکنار ہو سکے۔ دوسرے الفاظ میں: یہ ضروری ہے کہ انسانی خوش بختی اور کمال حاصل کرنے کیلئے انسان کچھ اعتقادات اور ذمہ داریاں قبول کرے اور اپنی زندگی کے طور طریقے ان کے مطابق بنائے۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ زندگی کے اس لائحہ عمل کو جسے ''دین'' کہا جاتا ہے عقل کے ذریعے نہیں بلکہ وحی اور نبوت کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے جو جہان بشریت کے کچھ ایسے پاک بندوں سے مخصوص ہے جنہیں ''انبیاء'' یا ''اللہ کے پیغمبر'' کہا جاتا ہے۔ یہ پیغمبر ہی ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بہ حیثیت انسان، انسان کی ذمہ داریوں کا علم حاصل کرتے ہیں اور انسانوں تک پہنچاتے ہیں تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کر کے خوش بختی سے ہمکنار ہو سکیں۔

ظاہر ہے کہ جس طرح یہ دلیل خوش بختی اور کمال کے حصول کی جانب انسان کی رہنمائی کیلئے علم کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے اسی طرح یہ ان افراد کی ضرورت کو بھی ثابت کرتی ہے جو اس لائحہ عمل کی اس کی اصلی شکل میں حفاظت کر سکیں اور حسب ضرورت اسے لوگوں تک پہنچا سکیں۔

جس طرح اللہ کے لطف و عنایت کی رو سے یہ ضروری ہے کہ کچھ ایسے اشخاص پیدا ہوں جو انسان کی ذمہ داریوں کا علم بذریعہ وحی حاصل کریں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ یہ ذمہ داریاں ہمیشہ کیلئے دنیا میں محفوظ رہیں اور جب کبھی ضرورت ہو بنی نوع انسان کے سامنے پیش کی جائیں اور انہیں ان کی تعلیم دی جائے۔ دوسرے لفظوں میں: ایسے افراد ہمیشہ موجود ہوں جو اللہ کے دین کی حفاظت کریں اور بوقت ضرورت اسے بیان کریں۔

جس طرح وحی اور نبوت کی روح کا حامل شخص جو اللہ تعالیٰ سے احکام اور قوانین حاصل کرتا ہے، ''نبی'' کہلاتا ہے، اسی طرح پیغام خداوندی بذریعہ وحی نازل ہوجانے کے بعد جس شخص کے ذمے اس کی حفاظت اور نگہداشت ہوتی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ اس مقصد کیلئے منتخب فرماتا ہے وہ ''امام'' کہلاتا ہے۔

ممکن ہے کہ نبوت اور امامت ایک شخص میں جمع ہوجائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ الگ الگ ہوں۔

نیز جو دلیل پیغمبر کی عصمت کو ثابت کرنے کیلئے دی گئی ہے وہ اماموں کی عصمت کو بھی ثابت کرتی ہے، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقیقی دین کو صحیح وسالم اور ایسی حالت میں رکھے کہ لوگوں میں ہمیشہ اس کی تبلیغ ہوسکے اور یہ مقصد خطا کے مقابلے میں خداوندی حفاظت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

نبی اور امام کے درمیان فرق

انبیائے کرام علیہم السلام کے الٰہی احکام اور قوانین کے حصول کے بارے میں جو دلیل دی گئی ہے وہ فقط وحی یعنی آسمانی احکام کے حصول کے اصول کو ثابت کرتی ہے، لیکن یہ ثابت نہیں کرتی کہ یہ احکام مسلسل اور ہمیشہ نازل ہوتے رہیں گے۔ اس کے برعکس ''امام'' چونکہ دین خداوندی کا محافظ ہے اس لئے انسانی معاشرے کو اس کی مسلسل ضرورت رہتی ہے، خواہ لوگ اس کو پہچانیں یا نہ پہچانیں۔ انسانی معاشرہ اس ہستی سے خالی نہیں رہ سکتا جسے شیعہ ''امام'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ﴾

اگر یہ لوگ ہماری ہدایت پر ایمان نہیں رکھتے تو ہم نے ہدایت کو ایسے لوگوں (یعنی اماموں) کے سپرد کردیا ہے جو اس میں ہرگز تخلف نہیں کرتے۔[1]

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے بعض اوقات نبوت اور امامت کا منصب ایک شخص میں جمع ہوجاتا ہے اور قانون خداوندی کا حصول اور اس کی نگہداشت اس کے سپرد کردی جاتی ہے اور بعض اوقات انہیں ایک دوسرے سے الگ کردیا جاتا ہے۔ مثلاً بعض ادوار میں کوئی نبی نہیں ہوتا، لیکن امام برحق ہر دور میں موجود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد محدود ہے اور ہر دور میں نبی موجود نہیں رہے۔

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۸۹۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بعض انبیاء علیہم السلام کا تعارف بطور امام کرایا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے:

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۴﴾

جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے وہ پوری کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا پیشوا اور امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی: اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا: (ہاں مگر) میرے اس عہدے پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہو سکتا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾

اور ہم نے ان کو سب (لوگوں کا) امام (پیشوا) بنایا جو کہ ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے تھے۔[2]

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴۔

[2] سورۂ انبیاء، آیت ۷۳۔

دُعائے افتتاح پر ایک نظر

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی

تمہید

دُعائے افتتاح کو عام طور پر ماہ مبارک رمضان کی ہر رات کو پڑھا جاتا ہے۔

اس مقالے میں ہم اس دُعا کے درج ذیل اصل موضوعات پر مختصر روشنی ڈالیں گے:

- حمد باری تعالیٰ
- رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام پر درود وسلام
- امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی خدمت میں خاص سلام

دُعائے افتتاح ایک نہایت ہی معروف دُعا ہے کہ جو عام طور پر ماہ مبارک رمضان میں ہر رات پڑھی جاتی ہے۔

اس دُعا کو دُعائے ''افتتاح'' کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اس جملہ سے شروع ہوتی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَفۡتَتِحُ الثَّنَآءَ بِحَمۡدِكَ۔

خدایا میں تیری ثنا کا آغاز تیری حمد سے کر رہا ہوں۔

اس جملے کا معنی یہ ہے کہ: ہم اللہ کی مدح وثنا کی ابتدا کرتے ہیں یا آغاز کرتے ہیں، ان تمام صفات کو یاد کر کے کہ جو اس کی ذات میں پائی جاتی ہیں، نیز ان تمام خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہ جو اس کی ذات نے ہمیں عطا کی ہیں۔

مآخذ

اس دُعا کا مندرجہ ذیل مآخذ میں حوالہ موجود ہے:

۱۔ شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ''تہذیب الاحکام'' میں

۲۔ محمد بن حسن طوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مصباح المتہجد'' میں

۳۔ سیّد ابن طاؤس کی ''اقبال الاعمال'' میں

۴۔ ابراہیم بن علی عاملی کفعمی کی ''المصباح'' میں

دُعا کے اصل مضامین

اس دُعا میں کئی نکات پر زور دیا گیا ہے۔ سب سے پہلا اور نمایاں نکتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدح وثنا ہے۔ خداوند کی حمد وثنا ایک ایسا موضوع ہے کہ جو شاید اس دُعا میں سب سے زیادہ بیان ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی حمد وثنا، خداوند کا شکر ادا کرنے کے ساتھ مساوی نہیں ہے۔ خود ''حمد'' اور ''شکر'' کے درمیان کافی فرق ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسے یاد کیا جائے اور ان تمام صفات حسنہ کو ذکر کیا جائے کہ جو اس کی ذات میں موجود ہیں اور وہ تمام اچھائیاں جو اس نے ہمارے لئے انجام دیں ہیں۔ چاہے ان کا تعلق اس کی ذات سے ہو یا صفات سے۔

بہر حال، شکر ان چیزوں کے بارے میں ہوتا ہے جو کسی نہ کسی طرح کسی شخص سے مربوط ہوں۔ بطور مثال ایک فنکار جب اپنے کام میں سے ایک خوبصورت آرٹ کا نمونہ بناتا ہے تو اسے دیکھنے والا، ضرور اس فن پارے کی تعریف کرے گا، لیکن اس کا شکریہ ادا نہیں کرے گا۔ شکریہ وہ تب کرے گا جب یہ فن پارہ خاص طور پر اس شخص کیلئے یا اس شخص سے مربوط کسی فرد کے بنایا گیا ہو۔ لہٰذا عام طور پر جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسانوں یا دیگر مخلوقات جیسے حیوانات کے ساتھ کوئی نیکی کرتا ہے تو ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکتے ہیں۔ مگر یقیناً یہ ضروری نہیں کہ ہم پروردگار کی جانب سے کسی چیز کی انجام دہی پر اس کی حمد وثنا کریں، بلکہ اس کی ذات کے اندر پائی جانے والی خصوصیات اور صفات ہی کافی ہیں کہ خداوند کی حمد وثنا کی جائے۔

خداوند عالم کی آفاقی حمد وثنا

قرآن مجید کے مطابق تمام فرشتے، تمام اہل بہشت اور کائنات کے تمام موجودات سب کے سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول ہیں۔ اگرچہ ہم ان کی اس حمد وثنا کو نہیں سمجھ سکتے کہ وہ یہ کس طرح انجام دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝﴾

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو اور یہ اور بات ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو۔ پروردگار بہت برداشت کرنے والا اور درگذر کرنے والا ہے۔[1]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ انسان کے علاوہ باقی تمام مخلوقات اپنی جبلّت کے تقاضے کے مطابق خود بخود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کرتی ہیں، لیکن انسان کو فاعل مختار ہونے کی وجہ سے از خود اپنے ارادہ واختیار سے حمد وثنا کرنے کو کہا گیا ہے۔

احادیث کے مطابق جب بھی کوئی خاص کام شروع کیا جائے تو اسے ''بسم اللہ'' اور اللہ سبحانہ کی حمد وثنا کے ساتھ شروع ہونا چاہیے وگرنہ وہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پائے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کے کئی اثرات ہیں۔ ان میں سے منجملہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی اس میں پائی جانے والی کسی خاص صفت کے ساتھ حمد وثنا کی جاتی ہے تو یہ ہمیں اور دوسرے لوگوں کو اسی صفت کے حصول میں حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ بطور مثال جب ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی صفت ''غفور'' (بخشنے والا) یا ''بارّ'' (نیکی کرنے والا) کے ساتھ حمد وثنا کرتے ہیں تو یہ ان صفات کے حصول میں ہمیں مدد بہم پہنچاتی ہیں۔

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۴۴۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا

دُعائے افتتاح کے ابتدائی جملوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد بیان ہورہی ہے۔ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۔

تمام تعریفیں اس ذات کی کہ جس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ فرزند اور نہ کوئی اس کی بادشاہی میں شریک ہے اور نہ عاجزی کے سبب اس کا کوئی مددگار ہے اور تم اس کی بڑائی کا اظہار کرو۔

دُعائے افتتاح کا مندرجہ بالا جملہ دراصل اس آیہ مجیدہ کے مضمون پر مشتمل ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝۱۱۱﴾

تمام تعریفیں اس ذات کی کہ جس نے نہ کسی کو فرزند بنایا اور نہ کوئی اس کے ملک میں شریک ہے اور نہ عاجزی کے سبب اس کا کوئی مددگار ہے اور تم اس کی بڑائی کا اظہار کرو۔[1]

اس جملے میں ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کر رہے ہیں کہ وہ قادر مطلق ہونے کی وجہ سے کسی کی بھی مدد یا ضرورت وغیرہ سے مبرا ہے۔ یہ بات ہمیں امید دلاتی ہے کہ اس کی ذات ہر چیز اور ہر کام کرنے پر قادر ہے، لہٰذا جب ہم اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتے ہیں تو ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ اس کی ذات کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنے شریک یا کسی اور سے مدد طلب کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کے پاس طاقت موجود ہے۔ وہ اس سلسلہ میں نہ ہی مجبور ہے اور نہ ہی اسے کسی سے مشورہ یا اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد اس دُعا میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۱۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا مُضَادَّ لَهٗ فِیْ مُلْكِهٖ وَ لَا مُنَازِعَ لَهٗ فِیْ اَمْرِهٖ۔

تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے کہ جس کی حکومت میں کوئی نہ مخالف ہے اور نہ اس کے حکم میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نہایت خوبصورت اور تسلی بخش کیفیت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْفَاشِیْ فِی الْخَلْقِ اَمْرُهٗ وَ حَمْدُهُ الظَّاهِرِ بِالْكَرَمِ مَجْدُهُ الْبَاسِطِ بِالْجُوْدِ یَدَهٗ۔

تمام حمد اس خدا کیلئے ہے جس کا امر اور حمد مخلوق میں نافذ ہے، جس کی بزرگی اس کے کرم سے ظاہر ہے اور جس کا ہاتھ بخشش کیلئے کشادہ ہے۔

اس جملے میں ہم اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے عیاں اور آشکار حکم کی وجہ سے ہم اس کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں کہ اگر ذرا سی بھی توجہ ہو جائے تو ہر شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اس کی ذات نے ہم پر کس قدر اپنی فراخدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس دُعا میں ایک اور مقام پر ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ اس کی ذات نے ہمیں ہمیشہ ہماری ضرورت کی ہر نعمت سے نوازا ہے۔ اس کی ذات نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ ہم کس طرح اس سے مانگیں؟ ساتھ ہی اس نے ہمیں یہ اطمینان بھی دلایا ہے کہ جب ہم اس کو پکاریں گے تو وہ اس کا جواب بھی دے گا۔

واضح رہے کہ ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بہت اطمینان ہے اور اس کی جانب سے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہے۔ اگرچہ ہم یہ بھی جانتے کہ ہم نے کافی خطائیں کیں ہیں اور کئی گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی ہم اس کی ذات کے رحم وکرم پر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔

اگر ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ تعلق کے بارے میں کوئی پریشانی یا مشکل ہوتی ہے تو یہ ہماری طرف سے ہوتی ہے اور یہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم یہ سمجھیں کہ اس کی ذات ہم پر غضبناک ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ یہ تو ہم لوگ ہیں کہ جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں، اس سے منہ موڑ لیتے ہیں یا ہم خداوند اور اپنے درمیان ایک حد فاصل کھینچ لیتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ پر درود وسلام

اس دُعا کا دوسرا موضوع جو اس دُعا کے ایک بڑے حصے پر مشتمل ہے وہ رسول کریم ﷺ اور آپؐ کی آل پاک علیہم السلام پر درود سلام ہے۔ اس درود وسلام کے ذکر کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی کئی خصوصیات وصفات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح اہل بیت رسول علیہم السلام کی بعض خصوصیات کو بھی بیان کیا گیا ہے، لیکن جب بارہویں امام حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا ہے تو آپؑ کے متعلق کئی خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر آگے چل کر اس دُعا کے آخر تک بارہویں امامؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے آخری امامؑ کے متعلق دُعائیں کی گئیں ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں استدعا کی گئی ہے کہ: خدایا! اس امام آخر عجل اللہ فرجہ الشریف کے صدقے میں ہماری دُعاؤں کو مستجاب فرما اور ہمارے معاشرے کی ضروریات کو پورا فرما۔

دُعا کے اس حصے میں رسول کریم ﷺ کے متعلق ہم یوں پڑھتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَ اَمِيْنِكَ وَ صَفِيِّكَ وَ حَبِيْبِكَ وَ خِيَرَتِكَ مِنْ خَلْقِكَ وَ حَافِظِ سِرِّكَ وَ مُبَلِّغِ رِسَالَاتِكَ اَفْضَلَ وَ اَحْسَنَ وَ اَجْمَلَ وَ اَكْمَلَ وَ اَزْكٰى وَ اَنْمٰى وَ اَطْيَبَ وَ اَطْهَرَ وَ اَسْنٰى وَ اَكْثَرَ مَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ وَ تَرَحَّمْتَ وَ تَحَنَّنْتَ وَ سَلَّمْتَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ عِبَادِكَ وَ اَنْبِيَآئِكَ وَ رُسُلِكَ وَ صَفْوَتِكَ وَ اَهْلِ الْكَرَامَةِ عَلَيْكَ مِنْ خَلْقِكَ۔

خدایا درود نازل کر حضرت محمد ﷺ اپنے بندے پر جو تیرے رسول، امین، منتخب اور حبیب، تمام مخلوق میں بہترین، تیرے راز کے محافظ اور تیرا پیغام پہچانے والے ہیں، سب سے بہتر، اچھا، خوبصورت، کامل، پاکیزہ، زیادہ، طیب و طاہر اور بلند مرتبہ،

درود، برکت، رحمت اور سلام جو تو نے اپنے کسی بندے، نبی، رسول، برگزیدہ اور اپنی مخلوق میں سے کسی بزرگ و محترم پر نازل کیا ہو۔

یہ نہایت ہی دلچسپ بات ہے کہ دُعا کے اس حصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو سب سے پہلی خصوصیت کو بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو ''عبد خدا'' کہہ کر پکارا گیا اور یہ کہہ کر آپ کی کوئی بے ادبی یا توہین نہیں کی گئی، بلکہ یہ وہ خصوصیت ہے کہ جس کو آپ نے رسالت سے پہلے حاصل کیا ہے۔ آپ اللہ کے مصطفی، مرتضیٰ اور محبوب عبد تھے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راز کو محفوظ کیا اور اس کا پیغام پہنچایا۔

اس کے بعد بے مثال اور نمایاں صفات کے ساتھ اس درود و سلام کو ایک فہرست میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے بہتر درود و سلام کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس خوبصورت پیرائے کو ملاحظہ فرمائیں:

اَفْضَلَ وَ اَحْسَنَ وَ اَجْمَلَ وَ اَکْمَلَ وَ اَزْکٰی وَ اَنْمٰی وَ اَطْیَبَ وَ اَطْھَرَ۔۔۔

سب سے بہتر، اچھا، خوبصورت، کامل، پاکیزہ، زیادہ، طیب، وطاہر، درود و سلام۔۔۔

دُعا کے اس حصہ کے مطابق، درود و سلام بڑھ سکتا ہے اور وسعت پیدا کر سکتا ہے۔ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اطہار علیہم السلام پر درود یا سلام بھیجتے ہیں تو ہم بلا واسطہ اپنا درود و سلام نہیں بھیج رہے ہوتے، بلکہ ہم خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے درخواست کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ یہ درود و سلام ان پر بھیجے۔ یقیناً سلام ایک دُعا ہے اور ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان پر درود و سلام بھیجے۔ جیسا کہ ہم صلوات پڑھتے ہوئے کہتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

خدایا محمد و آل محمد پر درود بھیج۔

جب ہم خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے درود و سلام بھیجنے کی درخواست کرتے ہیں تو اس درود و سلام کا کوئی وقت محدود نہیں ہوتا۔ ہم اللہ سبحانہ سے یہ بھی درخواست کر سکتے ہیں کہ یہ درود و سلام ہر وقت بھیجتا رہے، جیسا کہ ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایک زیارت کے سلسلے میں یوں پڑھتے ہیں:

عَلَیْکَ مِنِّیْ سَلَامُ اللّٰہِ اَبَدًا مَّا بَقِیْتُ وَ بَقِیَ اللَّیْلُ وَ النَّھَارُ۔

آپؑ پر میری طرف سے اللہ کا سلام ہو ہمیشہ جب تک میں باقی رہوں اور رات اور دن باقی ہیں۔

پس اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر سلام بھیجے جب تک زمانہ باقی ہے۔ اس سے یہ خوبصورت تصور واضح ہوتا ہے کہ سلام اسی حال میں باقی نہیں رہتا، بلکہ بہتر سے بہتر ہوتا جاتا ہے۔

اہل بیت اطہار علیہم السلام پر درود وسلام

اس دُعا میں آگے چل کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی برگزیدہ ہستیوں کا ایک ایک کر کے ترتیب کے ساتھ نام لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان پر درود بھیجنے کی درخواست کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَلِيٍّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ وَصِيِّ رَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ عَبْدِكَ وَ وَلِيِّكَ وَ اَخِيْ رَسُوْلِكَ وَ حُجَّتِكَ عَلٰى خَلْقِكَ وَ اٰيَتِكَ الْكُبْرٰى وَ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ وَ صَلِّ عَلَى الصِّدِّيْقَةِ الطَّاهِرَةِ فَاطِمَةَ سَيِّدَةِ نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ وَ صَلِّ عَلٰى سِبْطَيِ الرَّحْمَةِ وَ اِمَامَيِ الْهُدٰى الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ سَيِّدَيْ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ صَلِّ عَلٰٓى اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَّ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَّ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ وَّ عَلِيِّ بْنِ مُوْسٰى وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَّ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ وَّ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَّ الْخَلَفِ الْهَادِى الْمَهْدِيِّ حُجَجِكَ عَلٰى عِبَادِكَ وَ اُمَنَآئِكَ فِيْ بِلَادِكَ صَلٰوةً كَثِيْرَةً دَآئِمَةً۔

خدایا! درود نازل فرما امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر جو کائنات کے رب کے رسول کے وصی ہیں، جو تیرے بندے اور ولی اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی ہیں اور تیری مخلوق پر تیری حجت ہیں اور تیری عظیم نشانی اور عظیم خبر ہیں اور درود نازل فرما جناب صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا پر جو کائنات کی عورتوں کی سردار ہیں اور درود نازل

فرما سبطین رحمت پر اور ہدایت کے دو اماموں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام پر جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور درود نازل فرما امت مسلمہ کے اماموں: حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام پر، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پر، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر، حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر، حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پر، حضرت امام علی نقی علیہ السلام پر، حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام پر اور ان کے فرزند حضرت امام مہدی علیہ السلام پر جو ہادی اور مہدی، تیرے بندوں پر تیری حجت اور تیری مملکت میں تیرے امین ہیں، زیادہ سے زیادہ درود اور دائمی درود۔

امام مہدی علیہ السلام پر خاص درود وسلام

دُعا کے اگلے حصے میں حضرت امام مہدی علیہ السلام پر دوردوسلام کو کئی جملوں میں وسعت دی ہے اور پھر دُعا کے اختتام تک آخری امامؑ پر دردوسلام کے سلسلے کو جاری وساری رکھا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ وَ صَلِّ عَلٰى وَلِيِّ اَمْرِكَ الْقَآئِمِ الْمُؤَمَّلِ وَ الْعَدْلِ الْمُنْتَظَرِ وَ احْفُفْهُ بِمَلٰٓئِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

خدایا! درود نازل فرما اپنے ولی امر پر جن کے قیام کی سب امید باندھے ہوئے ہیں، جن کے عدل وانصاف کا سب کو انتظار ہے، (خدایا!) ان کے گرد اپنے ملائکہ مقربین کا حصار کھینچ دے اور اے رب العالمین! روح القدس کے ذریعے ان کی تائید فرما۔

دُعا کے اس جملے میں ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کر رہے ہیں کہ وہ حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی روح القدس کے ذریعے مدد فرمائے۔ واضح رہے کہ شیعہ مسلمانوں کے نزدیک روح القدس کا ایک خاص تصور ہے جو نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید اور کئی دیگر احادیث کے مطابق، روح القدس کی ایک اہم ذمہ داری نیک اور صالح لوگوں کی مدد کرنا ہے۔ جیسا کہ قران کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے روح القدس کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ

اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾

اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے کہا: اے عیسیٰ بن مریم! ہماری نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تم پر اور تمہاری والدہ پر نازل کی ہیں کہ ہم نے روح القدس کے ذریعہ تمہاری تائید کی ہے۔[1]

اگر ہم اچھے اور متقی لوگ بنیں تو ہم بھی امید کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور ایک طریقہ کار بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے روح القدس کے ذریعہ مدد کی درخواست کی جائے تا کہ وہ ہماری مدد کرے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل سنت کے علماء کے نزدیک عام طور پر جب روح القدس کی بات ہوتی ہے تو اس سے مراد سب سے بڑے فرشتے جبرئیلؑ مراد لئے جاتے ہیں، مگر شیعہ مسلمانوں کا اپنے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات کی بنا پر یہ عقیدہ ہے کہ روح القدس جناب جبرئیلؑ کے علاوہ ایک اور مخلوق ہے جن کا مرتبہ جبرئیلؑ سے بھی بڑھ کر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے عظیم صحابی جناب ابوبصیر کہتے ہیں:

سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ (ع) عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ: ﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ قَالَ: خَلْقٌ اَعْظَمُ مِنْ جَبْرَئِیْلَ وَ مِیْكَائِیْلَ۔

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیہ مجیدہ کے متعلق سوال کیا جس میں ارشاد ہے: ''اور پیغمبرؐ! یہ آپؐ سے روح کے بارے دریافت کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ یہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے'' تو آپؑ نے فرمایا: روح ایک مخلوق ہے جو جبرئیلؑ اور میکائیلؑ سے بھی عظیم تر ہے۔[2]

اس بات کو مزید پختہ کرنے کیلئے کہ روح القدس سے مراد جناب جبرئیلؑ نہیں ہیں، قرآن مجید کی

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۱۱۰۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۷۳۔

سورۂ قدر کی طرف رجوع کیا جاسکتا جس میں ارشاد ہے:

﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝﴾

اس رات کو ملائکہ اور روح القدس اذن خدا کے ساتھ تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔[1]

یہ آیت اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ شب قدر میں روح القدس اور دیگر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ روح القدس، جبرئیلؑ سمیت (کہ جو ملائکہ میں سب سے بڑے ہیں) دیگر ملائکہ سے علیحدہ ایک مخلوق ہے۔

روایات کے مطابق جب ہمارے آخری امامؑ قیام کریں گے تو حقیقی معنوں میں لوگ سکھ کا سانس لیں گے اور کسی خطرے کے بغیر خداوند کی عبادت کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام امامؑ کے زمانے تک مذہبی لوگ خطرہ محسوس کریں گے۔ اس خطرے سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو مذہبی آزادی میسر نہیں ہوگی یا انہیں دین پر عمل کرنے کی صورت میں لوگوں کی طرف سے توہین آمیز رویے کا یا دیگر مشکلات کا سامنا رہے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہے گا، یہاں تک کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے قیام کا وقت آجائے گا اور جب امام علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو یہ سب کچھ ختم ہوجائے گا۔

پس ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے کہ خداوند امامؑ کی مدد اور نصرت فرمائے اور امامؑ کے ظہور کا راستہ ہموار فرمائے۔

اس کے بعد ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَرْغَبُ اِلَيْكَ فِيْ دَوْلَةٍ كَرِيْمَةٍ تُعِزُّ بِهَا الْاِسْلَامَ وَ اَهْلَهٗ وَ تُذِلُّ بِهَا النِّفَاقَ وَ اَهْلَهٗ وَ تَجْعَلُنَا فِيْهَا مِنَ الدُّعَاةِ اِلٰى طَاعَتِكَ وَ الْقَادَةِ اِلٰى سَبِيْلِكَ وَ تَرْزُقُنَا بِهَا كَرَامَةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔

خدایا ہم تجھ سے ایسی محترم حکومت کی تمنا وآرزو رکھتے ہیں جس کے ذریعہ تو اسلام اور

---

[1] سورۂ قدر، آیت ۴۔

مسلمین کو عزت نصیب فرمائے اور منافقت اور منافقین کو ذلیل وخوار کرے اور ہم کو اس حکومت میں اپنی اطاعت کی طرف بلانے والا قرار دے اور اپنے راستہ کی طرف قیادت کرنے والا قرار دے اور ہم کو دنیا اور آخرت کی بزرگی کا عطیہ دے۔

اس جملے میں ہم اللہ تعالیٰ سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی قابل عزت حکومت کی تشکیل پانے کی دُعا کرتے ہیں کہ جس میں دنیدار لوگوں کا احترام کیا جائے گا اور مکار لوگوں کو رسوا کیا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کر رہے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے کہ جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور ہم یہ بھی دُعا کر رہے ہیں کہ پروردگار ہمیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عزت عطا فرمائے۔

اس کے بعد ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے ایک خوبصورت اور نہایت اہم درخواست کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ مَا عَرَّفْتَنَا مِنَ الْحَقِّ فَحَمِّلْنَاهُ وَ مَا قَصُرْنَا عَنْهُ فَبَلِّغْنَاهُ۔

خدایا جس حق کی تو نے ہمیں معرفت نصیب فرمائی تو ہمیں اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عنایت فرما جس چیز میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں اس میں ہمیں منزل مقصود تک پہنچا دے۔

اس طرح کے برتاؤ کا تصور نہایت اہم ہے۔ قرآن مجید میں اس سلسلہ میں یوں ارشاد ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵﴾

ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بار رکھا گیا اور وہ اسے اٹھا نہ سکے، اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو، یہ بدترین مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی اور خدا کسی ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔[1]

پس ممکن ہے کہ کسی کو عظیم کتاب دی جائے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں وہ اس کا بوجھ اٹھا پائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید ان کے اندر اس کو اپنے ساتھ لے جانے کی طاقت نہ ہو۔ پس یہ ضروری

---

[1] سورۂ جمعہ، آیت ۵۔

ہے کہ اس سچائی کو جاری ساری اور برقرار رکھا جائے جس کو ہم جانتے ہیں۔ جو شخص بھی اس کو انجام دے گا وہ عظیم درجات حاصل کرے گا۔

اس کے علاوہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا بھی کر رہے ہیں کہ ہمیں اس سچائی سے بھی آگاہ کر دے کہ جس سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اگر دُعا کا یہ حصہ قبول ہو جائے تو یقیناً یہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اس لئے جب ہم سچائی اور حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ جس سے پہلے ہم آگاہ نہیں تھے تو ہم اپنے آپ کو پابند بنا سکتے ہیں اور اس سچائی اور حقیقت کو جاری کر سکتے ہیں کہ جسے پہلے سے ہم جانتے ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ اسلام میں سچائی کے بارے جو تاکید کی گئی ہے کہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم پابندی کے ساتھ سچائی سے جڑے رہیں تو باقی چیزیں بھی صحیح ہو جائیں گی۔

اس کے بعد ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ہماری دُعاؤں کو قبول فرمائے۔ اس سلسلہ میں ہم بار بار امام مہدی علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں اور امامؑ کو اپنے اور خداوند کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے امام مہدی علیہ السلام کے صدقے میں یہ دُعا مانگتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ الْمُمْ بِہٖ شَعْثَنَا وَ اشْعَبْ بِہٖ صَدْعَنَا وَ ارْتُقْ بِہٖ فَتْقَنَا وَ کَثِّرْ بِہٖ قِلَّتَنَا وَ اَعْزِزْ بِہٖ ذِلَّتَنَا وَ اَغْنِ بِہٖ عَآئِلَنَا وَ اقْضِ بِہٖ عَنْ مَغْرَمِنَا وَ اجْبُرْ بِہٖ فَقْرَنَا وَ سُدَّ بِہٖ خَلَّتَنَا وَ یَسِّرْ بِہٖ عُسْرَنَا وَ بَیِّضْ بِہٖ وُجُوْھَنَا وَ فُکَّ بِہٖ اَسْرَنَا وَ اَنْجِحْ بِہٖ طَلِبَتَنَا وَ اَنْجِزْ بِہٖ مَوَاعِیْدَنَا وَ اسْتَجِبْ بِہٖ دَعْوَتَنَا وَ اَعْطِنَا بِہٖ سُؤْلَنَا وَ بَلِّغْنَا بِہٖ مِنَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ اٰمَالَنَا وَ اَعْطِنَا بِہٖ فَوْقَ رَغْبَتِنَا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَ اَوْسَعَ الْمُعْطِیْنَ۔

خدایا! ان کے ذریعہ ہمارے انتشار کو اجتماع میں بدل دے اور ہماری پراکندگی کی اصلاح فرما، ہمارے تفرقہ کو جوڑ دے اور ہماری قلت کو کثرت میں بدل دے اور ہماری ذلت کو عزت میں تبدیل کر اور ہماری نیازمندی کو بے نیازی سے بدل دے اور

ہمارے قرضہ کو ادا کردے اور ہمارے نقص اور کمی کی تلافی فرمادے اور ہماری مشکل کو آسانی میں بدل دے اور ہمارے چہرے کو نورانی کردے اور ہمارے اسیروں کو رہائی دلادے اور ہماری حاجتوں کو پورا کردے اور ہمارے وعدوں کو وفا کردے اور ہماری دُعاؤں کو قبول کرلے اور ہماری حاجات کو پورا فرمادے اور ہماری دنیا اور آخرت کی آرزوؤں کو پورا کردے اور ہم کو ہماری توجہ وطلب سے زیادہ عطا فرما دے، اے وہ بہترین ذات جس سے سوال کیا جائے اور اے سب سے زیادہ عطا فرمانے والے۔

مندرجہ بالا جملوں میں امام مہدی علیہ السلام کا واسطہ دے کر جو حاجات مانگی گئی ہیں ان میں سے ایک ہمارے اپنے درمیان اتحاد اور اتفاق پیدا ہونے کی دُعا ہے۔ دراصل جب امام علیہ السلام تشریف لے آئیں گے تو خود اتحاد و اتفاق پیدا کریں گے اور یہ فقط شیعوں کے درمیان ہی نہیں ہوگا بلکہ تمام خیر خواہ لوگوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی پیدا ہوجائے گی۔

اس دُعا کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کچھ چیزوں کے بارے میں شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْكُوْ اِلَيْكَ فَقْدَ نَبِيِّنَا صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ غَيْبَةَ وَلِيِّنَا وَ كَثْرَةَ عَدُوِّنَا وَ قِلَّةَ عَدَدِنَا وَ شِدَّةَ الْفِتَنِ بِنَا وَ تَظَاهُرَ الزَّمَانِ عَلَيْنَا۔

خدایا! ہم تیری بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موجود نہ ہونے کی (تیرا درود ہو ان پر اور ان کی آلؑ پر) اور اپنے ولی کی غیبت کی اور اپنے دشمنوں کی کثرت کی اور اپنی تعداد کی قلت کی اور سخت آزمائش کی اور زمانے کی چیرہ دستیوں کی۔

آخر میں ہم مذکورہ شکایات کو دور کرنے کے سلسلہ میں دُعا کرتے ہوئے اس دُعا کو ختم کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَعِنَّا عَلٰى ذٰلِكَ بِفَتْحٍ مِّنْكَ تُعَجِّلُهٗ وَ ضُرٍّ تَكْشِفُهٗ وَ نَصْرٍ تُعِزُّهٗ وَ سُلْطَانِ حَقٍّ تُظْهِرُهٗ وَ رَحْمَةٍ مِّنْكَ تُجَلِّلُنَاهَا وَ عَافِيَةٍ مِّنْكَ تُلْبِسُنَاهَا بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

پس اے خدا! تو درود نازل فرما محمد وآل محمد علیہم السلام پر اور ہماری تمام امور میں مدد کر اپنی جانب سے جلدی کامیابی کے ذریعہ اور رنج کو برطرف کرنے کے ذریعہ اور نصرت کے غالب کرنے کے ذریعہ اور حق کی بادشاہت کے ظاہر کرنے کے ذریعہ اور اپنی رحمت سے جو ہم سب کو شامل ہو اور عافیت کے ذریعہ ہم کو اپنی رحمت کا سایہ نصیب فرما دے، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

پس آپ نے ملاحظہ کیا کہ دُعائے افتتاح اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے شروع ہوتی ہے، اگلے مرحلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیتؑ پر درود وسلام بھیجنے کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے اور آخر میں حاجات کی طلبی کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔

*****

دو ماہِ کے روزوں کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِّنْ اٰخِرِ شَعْبَانَ وَ وَصَلَهَا بِشَهْرِ رَمَضَانَ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ صَوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ۔

جو شخص ماہِ شعبان کے آخری تین دن روزہ رکھے اور اسے ماہِ رمضان سے ملا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں پورے دو مہینوں کے روزے لکھ دے گا۔

(من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۹۴)

لسانِ صادق

حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری

آسمان امامت کے چھٹے ماہتاب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور ۲۵ شوال ۱۴۸ھ ۶۵ برس کی عمر پر برکت گزار کر مدینہ منورہ میں شہادت کے درجہ پر فائز ہو کر جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

اس آفتاب صداقت نے اپنے علم اور عمل کی وہ روشنی کائنات کو بخشی کہ اس روشنی اور نور کے آنے سے حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، وحی اور قیاس کی راہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئیں۔ امت رسولؐ کو خالص شریعت محمدی کے آستانے پر لے آئے اور اسی در اقدس سے (کہ جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاْتِ الْبَابَ[1]: میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے، جو چاہتا ہے کہ علم حاصل کرے اسے چاہیے کہ اس دروازے سے آئے) شریعت کے علم کی خیرات بانٹی۔ آپؑ نے کچھ اس طرح سے علم و معرفت کے دریا بہائے اور علم و عمل کے نمونے دکھائے کہ ہر دوست و دشمن، مومن و منافق، مُوحد و زندیق، اپنے اور بیگانے سب کی زبان پر ان کیلئے ''صادق'' کا لقب ہی آیا۔ یہ کیوں نہ ہوتا، اس لئے کہ آپؑ اسی خاتم النبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق جانشین تھے کہ جنہیں عرب کے مشرکوں اور کافروں تک نے ''صادق اور امین'' تسلیم کیا تھا۔ پہلے صادق اور امین نے شرک اور کفر کے بتوں کو پاش پاش کیا تو اس دوسرے صادق نے منافقت، شبہات، ''قیاس'' اور ''رائے'' کے خود ساختہ اور بے بنیاد اصولوں کو توڑ کر حق و صداقت، علم و معرفت،

---

[1] صحیفہ امام رضاؑ، ص ۵۸۔

توحید و رسالت اور امامت و ولایت کے دریا بہادیئے اور زمانے کو توحید و رسالت اور امامت کے صاف اور شفاف چشموں سے سیراب کیا۔

اس مختصر مقالے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے عظیم کارناموں کا احاطہ تو کجا ان کی فہرست بھی مکمل نہیں ہوسکتی۔ ہم اس تحریر میں امامؑ کی علمی زندگی اور ان کی خدمات کا کچھ جائزہ لیتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں فضا کچھ اس طرح سے ہوگئی تھی کہ امام علیہ السلام اموی حکومت کے زوال اور انتقال اقتدار کے وقفے میں حکام کی گرفت اور شدید نگرانی سے بچے ہوئے تھے۔ اسی طرح لوگوں کو بھی علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کرنے میں آزادی نصیب ہوئی تھی اور یوں امت کو ان کے ذریعے شریعت محمدی کو سیکھنے اور اس کی روشنی میں انفرادی و اجتماعی مشکلات کو حل کرنے کیلئے کھلی فضا نصیب ہوئی تھی۔ ان اسباب و عوامل کے باعث امام علیہ السلام کو کام کرنے کا موقع میسر ہوا، لیکن آپؑ نے اپنی سرگرمیوں کو علانیہ سیاسی عمل سے جدا رکھا۔ آپؑ نے امت کی صفوں میں اپنی تحریک کی داغ بیل عظیم علمی جدوجہد اور بلند پایہ فکری مدرسہ کے ذریعہ ڈالی۔ آپؑ کے مدرسے سے بڑے بڑے فقہاء و مفکرین فارغ التحصیل ہوکر نکلے۔ اس طرح امام علیہ السلام اپنے بعد امت کیلئے اپنے نظریاتی شاگردوں (مثلاً ہشام بن حکم، مومن طاق، محمد بن مسلم اور زرارہ بن اعین وغیرہ) کی صورت میں ایک عظیم علمی سرمایہ چھوڑ گئے۔ چنانچہ آپؑ کی علمی و تہذیبی تحریک کو زبردست وسعت ملی اور تمام مسلم علاقوں پر چھا گئی۔ لوگوں نے آپؑ سے کثیر مقدار میں علوم نقل کئے اور ان کو ہر جگہ پہنچایا اور اس طرح آپؑ کی شہرت تمام خطوں میں پھیل گئی۔ مشہور عالم اور ادیب جاحظ امام صادق علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں:

> حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دنیا میں علم و حکمت کے چشمے بہادیئے۔ لوگوں کیلئے علوم کے ایسے دروازے کھولے جن سے اس سے قبل وہ واقف بھی نہ تھے۔ آپؑ نے دنیا کو اپنے علم سے لبریز کردیا۔[1]

امام علیہ السلام نے اسلامی عقائد اور شریعت کے مفاہیم کی بہترین ترویج کی اور علمی شعور پیدا کیا۔ علماء کی

---

[1] رسائل الجاحظ۔

کثیر تعداد کو تربیت دے کر تیار کیا تا کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کیلئے کام کریں۔ آپؑ نے اپنے دور کے سب سے بڑے علمی ادارے (اوپن اسلامی یونیورسٹی) کا آغاز کیا۔ مدینہ النبیؐ اور نزول وحی کے مقام کو اپنا علمی مرکز قرار دیا۔ زیادہ تر حج کے موقع پر مکہ و مدینہ میں آپؑ نے مسجد نبوی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جس میں آپؑ تمام علوم پر سیرت حاصل بحث کرتے تھے۔ آپؑ کے شاگردوں کی مجموعی تعداد چار ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔

آپؑ کے شاگردوں میں اسلامی مذاہب کے آئمہ بھی شامل ہیں جن میں مالک بن انس، سفیان ثوری، ابن عینیہ، ابوحنیفہ، محمد بن حسن شیبانی، یحییٰ بن سعید، ان کے علاوہ دیگر فقہاء علماء اور محدثین مثلاً ایوب سجستانی، شعبہ بن حجاج، اور عبدالملک بن حریج وغیرہ شامل ہیں۔

آپؑ نے فلسفہ، کلام، ریاضی اور علم کیمیا جیسے علوم میں اسپیشلائزیشن کا دروازہ کھولا۔ آپؑ کے شاگردوں میں سے علم کلام وفلسفہ کے ماہرین میں ہشام بن سالم، مفضل بن عمرو، مومن طاق اور ہشام بن حکم کے نام نمایاں تھے۔

عالم اسلام کے مایہ ناز سائنسدان جنہیں پدر کیمیا بھی کہا جاتا ہے اور وہ علم ریاضی کے بھی ماہر تھے، دنیا جنہیں ''جابر بن حیان'' کے نام سے جانتی ہے، آپؑ ہی کے شاگرد ہیں۔ زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم، جمیل بن دراج، حمران بن اعین، ابوبصیر اور عبداللہ بن منان وغیرہ جو علم فقہ، علم اصول اور تفسیر کے علم میں ماہر تھے، انہیں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے علم اصول اور علم فقہ کے بنیادی قواعد وضع کئے تا کہ اپنے شاگردوں میں استنباط و اجتہاد کا ملکہ پیدا کریں۔ علم اصول میں آپؑ نے ''برائت''، ''تخییر'' اور ''استصحاب'' جیسے قاعدے متعارف کرائے، جبکہ فقہی میدان میں ''قاعدۂ فراغ''، ''قاعدۂ تجاوز''، ''قاعدۂ ید'' اور ''قاعدۂ ضمان'' کی نشاندہی کی۔[2]

---

[1] الامام الصادق، رضا مظفر۔

[2] فرائد الاصول، شیخ انصاریؒ۔" قواعد الفقہ، محمد تقی۔

امام علیہ السلام کی علمی اور فقہی تحریک کے تین مقاصد تھے:

- ۱۔ فقہ اسلامی کیلئے ایک مضبوط بنیاد اور اسلامی نظریات وعقائد کیلئے محکم منبع اور مآخذ فراہم کرنا۔ نیز باطل نظریات کے مقابلے میں اسلام کی بقا کی ضمانت فراہم کرنا۔
- ۲۔ غلط نظریات اور جعلی احادیث کی اصلاح
- ۳۔ علمی وفقہی لحاظ سے قیادت کے تصور کو واضح اور اس کی وضاحت کرنا نیز اس زاویے سے اپنی امامت اور سابقہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی امامت کو یوں منوانا کہ دیگر مذاہب کے دانشوروں کو اس کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہلسنت کے امام اعظم جناب ابوحنیفہ نے ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ:

میں نے کسی کو جعفر بن محمد سے زیادہ عالم وفقیہ نہیں پایا۔ جب خلیفہ منصور نے آپؑ کو مدینہ سے بلوایا تو میرے پاس کسی کو بھیجا اور کہا کہ: اے ابوحنیفہ! لوگ جعفر بن محمد کے گرویدہ ہو رہے ہیں، ان سے پوچھنے کیلئے مشکل سوالات آمادہ کرو۔ پس میں نے چالیس سوالات تیار کیے پھر میں منصور کے پاس پہنچا۔ اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور کے دائیں طرف بیٹھے تھے۔ جب آپؑ پر میری نظر پڑی تو میں میرے اوپر منصور سے زیادہ امام علیہ السلام کی ہیبت طاری ہوگئی۔ پس میں نے سلام کیا اور منصور کا اشارہ پا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد منصور نے میری طرف رخ کر کے کہا: اے ابوحنیفہ! ابوعبداللہ (صادق) سے اپنے سوالات پوچھ۔ پس میں سوالات کرتا گیا اور آپؑ جواب دیتے رہے۔ آپؑ اس طرح فرماتے تھے: تم لوگ اس مسئلہ میں یہ کہتے ہو، اہل مدینہ کا یہ نظریہ ہے اور ہمارا نقطہ نظر یوں ہے۔ پس آپؑ کا فتویٰ کبھی ہمارے موافق ہوتا اور کبھی اہل مدینہ کے اور کبھی سب کے مخالف۔ یوں میں نے چالیس سوال کر ڈالے۔ آپؑ نے کسی ایک سوال کا بھی جواب نامکمل نہ چھوڑا۔ پھر ابوحنیفہ نے کہا: لوگوں میں سب سے زیادہ عالم وہ شخص ہے جو لوگوں کے مختلف نظریات سے بہتر آگاہی رکھتا ہو۔[1]

---

[1] الامام الصادقؑ والمذاہب الاربعہ۔

واضح ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی جدوجہد اور مذکورہ پیمانے پر آپؑ کی شہرت نہ ہوتی تو آپؑ کی امامت کے بارے میں یہ اعتراف کبھی نہ ہوتا۔

ابن طلحہ شافعی کہتے ہیں:

امام جعفر صادق علیہ السلام اہلبیتؑ کے عظیم ترین فرد تھے اور مختلف علوم کے مکمل ماہر تھے۔ قرآنی مطالب کا سرچشمہ تھے اور بحر علم اور مظہر العجائب تھے۔

علامہ وحید الزماں کہتے ہیں:

آپؑ بارہ اماموں میں بڑے ثقہ، فقیہ اور حافظ کے امام، مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ الحدیث تھے۔

علامہ شبلی نعمانی کہتے ہیں:

امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل وکمال میں ان کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کیا نسبت، حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم، اہلبیتؑ کے گھروں سے نکلے ہیں اور صَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِیْہِ (یعنی صاحب خانہ کو گھر میں موجود چیزوں کی زیادہ خبر ہوتی ہے)۔

ابن قتیبہ اپنی کتاب ادب الکاتب میں لکھتے ہیں:

''کتاب جعفر'' کو امام جعفر صادق بن محمد باقر علیہما السلام نے لکھا ہے۔ اس کتاب میں ہر وہ چیز جس کی ضرورت ہوسکتی ہے، لکھی گئی ہے۔

امام مالک بن انس کہتے ہیں:

میں نے امام جعفر صادق کو جب بھی دیکھا ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں پایا یا نماز پڑھتے ہوئے یا حالت روزہ میں یا حال ذکر میں۔ مالک کہتے ہیں وہ اللہ کے عظیم بندوں میں سے تھے اور سب سے بڑے پرہیزگار۔

امام مالک مزید کہتے ہیں:

آپؑ بہت حدیث بیان فرماتے تھے۔ آپؑ کی مجلس بڑی پاکیزہ، بابرکت اور فائدہ سے

بھر پور ہوتی تھی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک ان کی زبان پر آتا تو (احترام رسولؐ سے) چہرہ سبز وزرد ہو جاتا۔[1]

امام ابوحنیفہ کا یہ جملہ مشہور ہے کہ: لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ: ''اگر وہ دو سال نہ ہوتے (جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی میں گزارے) تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہو جاتا''۔ دنیائے اسلام میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان کے بزرگوں نے یا ان کے اماموں نے براہ راست یا بلاواسطہ امام علیہ السلام سے کسب فیض کیا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ شاگرد ہو کر بھی اپنی اپنی امامت کا دعویٰ کر دیتے تھے۔

یوں تو بہت سے علمی مباحثے اور مناظرے کتابوں میں درج ہیں ہم ایک واقعہ کو نقل کرتے ہیں:

ایک دن ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہاں آئے۔ کھانے کا وقت تھا۔ کھانا لایا گیا۔ دونوں نے کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَ مِنْ رَّسُوْلِكَ۔

اے جہانوں کے پروردگار! حمد وسپاس تیرے لئے مخصوص ہے۔ خدایا! یہ غذا تیرے اور تیرے رسولؐ کی طرف سے تھی۔

جناب ابوحنیفہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا آپؑ اللہ کا شریک قرار دے رہے ہیں؟ (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا شریک قرار دے دیا ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

وہ (منافقین) ان مسلمانوں سے اس بات پر انتقام لیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فضل سے انہیں بے نیاز کر دیا ہے۔[2]

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

---

[1] سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۴۲۳۔

[2] سورۂ توبہ، آیت ۷۴۔

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ﴾

اگر وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے پر راضی ہوجاتے اور یہ کہتے کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے، عنقریب اللہ اور اس کا رسولؐ اپنے فضل وکرم سے عطا کردیں گے۔[1]

ابوحنیفہ: خدا کی قسم ان دو آیتوں کو میں نے نہیں پڑھا اور نہ سنا مگر ابھی ابھی (ان آیتوں میں اللہ نے اپنے ساتھ اپنے رسول کا بھی ذکر کیا ہے۔[2]

خداوند عالم ہمیں آئمہ اطہار علیہم السلام کی صحیح معنوں میں امامت کو سمجھنے اس پر ایمان لانے اور پھر ان کی اطاعت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

* * * * *

زیارت امام حسین علیہ السلام کی فضیلت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

لَا تَدَعْ زِيَارَةَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ مُرْ اَصْحَابَكَ بِذٰلِكَ. يَمُدُّ اللّٰهُ فِيْ عُمْرِكَ وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ فِيْ رِزْقِكَ وَ يُحْيِيْكَ اللّٰهُ سَعِيْدًا وَ لَا تَمُوْتُ اِلَّا سَعِيْدًا وَ يَكْتُبُكَ سَعِيْدًا۔

خبردار! حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو ترک مت کرنا اور اپنے دوستوں کو اس کی تاکید کیا کرو، کیونکہ اس صورت میں تمہاری زندگی دراز ہوجائے گی، رزق میں وسعت ہوگی، خوش بختی کی زندگی نصیب ہوگی، نیکی کی حالت میں موت واقع ہوگی اور تمہارا نام نیکوکاروں میں لکھا جائے گا۔

(بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۴۷)

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۵۹۔

[2] کنز الفوائد، کراجکی، ص ۱۹۷۔

حج کے اجتماعی اثرات

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل

حج ایک اہم اسلامی عبادت ہے جس میں روحانی پہلو کے ساتھ بہت سے معاشرتی اور اجتماعی پہلو بھی موجود ہے۔ اس مختصر مقالے میں ہم حج کے اجتماعی اثرات کا اجمالی جائزہ لیں گے:

حج منتشر قوتوں کو یکجا کرنے کا ذریعہ

حج وہ عبادت ہے جس میں بکھری ہوئی طاقتیں جمع اور کثیر قوتیں نقطہ واحد میں اکھٹی ہو جاتی ہیں۔

ارشاد پروردگار ہے:

﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾﴾

اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو کہ وہ تیرے پاس پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر (بھی) آئیں، وہ آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے۔ تا کہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں اور چند معین دنوں میں ان چوپایوں پر جو خدا نے بطور رزق عطا کئے ہیں خدا کا نام لیں اور پھر تم اس میں سے کھاؤ اور بھوکے محتاج افراد کو کھلاؤ۔[1]

''منافع'' میں ہر قسم کی خیرات و برکات شامل ہیں۔ خواہ ان کا تعلق مادی ہو یا معنوی، دنیوی ہو یا اُخروی لفظ ''منافع'' سبھی کو شامل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اقوام و ملل نقطہ واحد میں اس طرح

[1] سورہ حج، آیت ۲۷۔۲۸۔

جمع ہیں جس طرح مختلف نہریں اور چھوٹی بڑی ندیاں ایک دریا میں جمع ہوتی ہے۔

پس حج وہ عمل ہے جس میں عقیدہ میں وحدت اور عمل میں توحیدی نظام ہے۔ دوسرے لفظوں میں: حج کلمہ توحید اور توحید الکلمہ کا ایسا سنگم ہے جس میں سب موالیان توحید جمع ہوتے ہیں جو ایک خدا کو ماننے والے، ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دم بھرنے والے اور ایک کتاب کا اعتقاد رکھنے والے، ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدائیں بلند کرتے ہیں، جن کا ایک ہی نظام، ایک ہی راستہ اور ایک ہی منزل ہے۔ کعبہ نے ساری کثرتوں کو مٹا کر فکر و عمل کو ایک ساتھ جوڑ دیا ہے۔

غرض ز انجمن و اجتماع جمع قوا است
چرا که قطره چو شد متصل بهم، دریا ست
ز قطره هیچ نیاید، ولی چو دریا گشت
هر آنچه نفع تصور کنی در او ، آن جاست
ز فرد فرد محالست کارهای بزرگ
ولی زجمع توان خواست هرچه خواهی خواست

اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کی مشکلات کا حل اور اجتماعی تعاون کا واحد راستہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا ہے اور اس میں بہترین عمل حسن تفاہم ہے اور دینی تعلیمات ہی وہ واحد راستہ ہیں جو ہر قسم کے فاصلوں کو مٹا کر ایک سنگم بنا دیتی ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ:

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تو رانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں ارشاد فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَّاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ. كُلُّكُمْ لِاٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ وَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔

لوگوں! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو

اور آدم علیہ السلام مٹی سے خلق ہوئے ہیں۔ تم میں سب سے فضیلت والا وہی ہے جو متقی ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور اگر کوئی فضیلت حاصل ہے تو تقوی کے ذریعے ہے۔[1]

پھر منیٰ کے میدان میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تَتَكَافَأُ دِمَآؤُهُمْ وَ هُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ۔

مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں جن کے خون ایک ہی قیمت کے ہیں اور دشمن کے مقابلے ایک ہی ہاتھ اور طاقت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر معمولی انسان کے عہد و پیمان کا بھرم سارے مسلمانوں کے عہد کی طرح ہے۔[2]

کعبہ کی غیر معمولی جاذبیت وکشش

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اذان حج میں وہ تاثیر تھی جس سے تمام عالم کھچ کھچ کر حرم خدا کی طرف آنے لگا اور صدائے ابراہیمی کی بازگشت وتجدید آنحضرت گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے اس طرح ہوئی کہ تمام اطراف واکناف سے لوگ مقناطیس کی طرح جذب ہونے لگے۔ اللہ اپنے مصطفیٰ بندوں کی آواز میں یوں ہی کشش رکھتا ہے۔ کس اخلاص اور شان سے انہوں نے حج کا اعلان کیا کہ خدا نے اس آواز میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ ہر سال ہزاروں مشکلات کے باوجود فرزندان توحید جوق در جوق لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور ﴿يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ کی عملی تفسیر بن جاتے ہیں۔ دنیا کے ہر چیلنج، مصائب اور مشکلات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حرم میں حاضر ہوتے ہیں اور قبلہ کو سلام اور اپنے دل وجان سے زمزمہ کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَ الْعَبْدُ عَبْدُكَ۔

---

[1] تحف العقول، ص ۳۴۔

[2] سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۳۹۲۔

اے پروردگار! یہ گھر بھی تیرا گھر ہے اور یہ بندہ بھی تیرا بندہ ہے۔[1]

حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام حرم مطہر کے از دہام اور حجاج کرام کے شوق و اشتیاق سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

وَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ حَجَّ بَيْتِهِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلَهُ قِبْلَةً لِلْاَنَامِ. يَرِدُوْنَهُ وُرُوْدَ الْاَنْعَامِ وَ يَأْلَهُوْنَ اِلَيْهِ وُلُوْهَ الْحَمَامِ۔

اللہ نے اپنے گھر کا حج تم پر واجب کیا جسے لوگوں کا قبلہ بنایا جہاں لوگ اس طرح کھنچ کر آتے ہیں جس طرح پیاسے حیوان پانی کی طرف لپکتے ہیں اور اس طرح والہانہ انداز سے کعبہ کی جانب بڑھتے ہیں جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب بڑھتا ہے۔[2]

یعنی جس طرح پیاسے حیوانات پانی کے قریب پہنچتے ہیں تو تیزی کے ساتھ پانی کی طرف بڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے سبقت لیتے ہیں، اسی طرح حجاج اور کعبہ مکرمہ کے زائرین عشق الٰہی سے سرشار ہو کر کعبہ مشرفہ کو دیکھتے ہی جذبات سے اس طرح مشتعل ہو جاتے ہیں کہ گویا اب وہ آپے میں نہیں ہیں اور پیاسے اونٹوں کی طرح بے تابی کے ساتھ پانی کی طرف بڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرتے ہیں اور جس طرح کبوتر اپنے آشیانہ کو دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھتا ہے اسی طرح مشتاق دل کے ساتھ قبلہ گاہ کی طرف کشاں کشاں جاتے ہیں اور یہ غیر معمولی کشش خداوند عالم نے حجاج کے دلوں میں قرار دی ہے۔ جس طرح ''بیت'' کی کشش فطری ہے اسی طرح ''اہلبیتؑ'' کی جاذبیت بھی ایک فطری امر ہے۔ ہر سالم فطرت سے سرشار شخص ''بیت'' اور ''اہل بیتؑ'' دونوں سے محبت کرتا ہے۔

بہر کیف خداوند عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کو قبول فرمایا جب انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دُعا کی:

﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾

(پروردگار!) لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما۔[3]

---

[1] الکافی، ج ۴، ص ۴۱۰۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ اوّل۔

[3] سورۂ ابراہیم، آیت ۳۷۔

بعد ازاں خداوند عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی زوجہ حضرت ہاجرہؑ اور اپنے شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کے لق و دق صحرا میں لے جائیں اور وہیں پر تنہا چھوڑ کر واپس بیت المقدس چلے آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کو بحالت تسلیم تعمیل کرتے ہوئے دُعا کی اور اپنے پروردگار کے حضور یوں مناجات فرمائی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ﴾

اے ہمارے ربّ! میں نے تیرے معزز گھر کے پاس ایک بے آب و گیاہ، ویران بیابان میں اپنی اولاد کو لا کر بسایا ہے، تا کہ اے پروردگار یہ لوگ برابر یہاں نماز قائم کریں۔ پس (اے خدا!) لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور انہیں طرح طرح کے پھلوں سے روزی عنایت فرما تا کہ یہ لوگ تیرا شکر ادا کریں۔[1]

روحانیت کے سرداروں کو چٹیل میدان میں کیوں چھوڑا؟

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے لق و دق صحرا کو ذریت ابراہیمؑ کا مسکن کیوں قرار دیا؟ اس میں کیا مصلحت تھی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ الٰہی مصلحتوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ شاید اس کے ذریعے یہ سمجھانا مقصود ہو کہ معنویت اور روحانیت کے سرداروں کو اور نماز و ذکر خدا اور عبودیت کے محافظین کو دنیا کی آرائش و زیبائش سے دور ہونا چاہیے، تا کہ وہ آخرت کی یاد اور ذکر پروردگار کو دلوں میں راسخ کریں۔ جیسا کہ روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

اَلدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃُ ضَرَّتَانِ فَبِقَدۡرِ مَا تَرۡضٰی اِحۡدَاھُمَا تَسۡخَطُ الۡاُخۡرٰی۔

دنیا و آخرت کی مثال دو سوکنوں جیسی ہے کہ جتنا ایک کو خوش رکھنے کی کوشش کریں گے اتنی ہی دوسری ناراض ہوتی جائے گی۔[2]

---

[1] سورۂ ابراہیمؑ، آیت ۳۷۔

[2] مجموعہ ورام، ج ۱، ص ۱۳۸۔

اسی طرح حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃُ عَدُوَّانِ مُتَعَادِیَانِ وَ سَبِیْلَانِ مُخْتَلِفَانِ. مَنْ اَحَبَّ الدُّنْیَا وَ وَالَاھَا اَبْغَضَ الْاٰخِرَۃَ وَ عَادَاھَا. مَثَلُھُمَا مَثَلُ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ الْمَاشِیْ بَیْنَھُمَا لَا یَزْدَادُ مِنْ اَحَدِھِمَا قُرْبًا اِلَّا ازْدَادَ مِنَ الْاٰخَرِ بُعْدًا۔

دنیا و آخرت ایک دوسرے کی سخت دشمن ہیں۔ دونوں کے الگ راستے ہیں۔ جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے اور اس کے ساتھ محبت و لگاؤ کا اظہار کرتا ہے، اسے آخرت بری لگنے لگ جاتی ہے اور وہ اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ (یاد رکھو!) ان کی مثال مشرق و مغرب جیسی ہے کہ انسان جتنا ایک سمت کے قریب جاتا ہے تو اتنا ہی دوسری سے دور ہوتا جاتا ہے۔[1]

یہ بات حقیقت ہے خود سے محبت کرنے والا کبھی خدا سے محبت نہیں کرتا۔ خود پرست خدا پرست نہیں ہوتا ہے۔ دنیا کا متوالا معنوی اقدار سے محروم ہوا کرتا ہے۔ ایسے شخص کی اہمیت اہل دنیا کے اندر بھی نہیں ہوتی۔ وہ بھی اس کی محبت سے خالی ہوا کرتے ہیں۔ ذریت ابراہیمؑ معنوی اور روحانی راہنما ہیں، انہیں مادی جاہ و جلال اور دنیوی آرائش و زیبائش سے پاک ہونا چاہیے۔ انہیں دنیا سے کیا مطلب؟ وہ تو بیت الحرام کے مجاور ہیں۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے ان کی محبت کو ہر پاک دل میں قرار دیا ہے۔

کعبہ بقائے بشریت کی ضمانت

کعبہ مکرمہ بنی نوع بشریت کی بقا کی ضمانت ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۚ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾﴾

اللہ نے کعبہ کو جو بیت الحرام ہے اور محترم مہینے کو اور قربانی کے عام جانوروں کو اور جن جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈال دیا گیا ہے، سب کو لوگوں کے قیام و صلاح کا

[1] تحف العقول، ص ۲۱۲۔

ذریعہ قرار دیا ہے تا کہ تمہیں یہ معلوم رہے کہ اللہ زمین وآسمان کی ہر شے سے باخبر ہے اور وہ کائنات کی ہر شے کا جاننے والا ہے۔[1]

قرآن کریم نے کعبہ کو ''بیت الحرام'' یعنی محترم گھر کہہ کر خطاب کیا ہے اور پھر ''لوگوں کے قیام کا ذریعہ'' کہہ کر توصیف بیان کی ہے۔ نیز قربانی کے ذریعے خانہ کعبہ کی تجلیل وتکریم کی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان سب امور کو انسانوں کی بقا کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔

﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ زندگی و بقا کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح کعبہ کا احترام یہ ہے کہ مرحومین کو رو بہ قبلہ دفن کرنے کا حکم ہے، اعمال صالحہ کو رو بہ قبلہ انجام دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ان سب امور کی بنیادی وجہ کعبہ کی وہ حرمت وعظمت ہے جو اللہ نے اس کیلئے قرار دی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ قلبی طور پر کعبہ کی طرف مائل اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ علیم وآگاہ تھا کہ انسانوں کیلئے ایک مرکز وملجا کی ضرورت ہے جس کی سب تعظیم وتکریم کریں، جو سب کا محبوب ہو، تا کہ سارے لوگ وہاں جمع ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار بھی کریں کلمہ توحید کے ساتھ توحید الکلمہ کی منزل پر آجائیں۔ یہاں سب مل بیٹھ کر وحدت واتحاد کے سائے میں مسلمانوں کی مشکلات کا حل سوچیں تا کہ انسانیت سعادت دارین حاصل کر سکے۔

خانہ کعبہ بشریت کی پناہ گاہ ہے

خانہ کعبہ کو خداوند عالم نے بشریت کیلئے امن اور پناہ کی جگہ قرار دیا ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو ثواب اور امن کی جگہ بنایا۔[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانوں میں اختلاف کی صورت میں ان کیلئے کوئی ایسا مرجع اور مرکز ہونا چاہیے جسے سب مانتے ہوں اور اس کا احترام کرتے ہوں اور سب اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہوں۔

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۹۷۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵۔

اگر ملت کے کسی فرد یا کسی قوم پر ظلم ہوتو کوئی جائے پناہ ہو، جہاں ظلم کے خلاف آواز بلند ہواور ظلم کے خلاف قیام کیا جاسکے۔ چنانچہ انسانی سماج کو ایسے امن وامان سے سرشار گھر کی ضرورت تھی تا کہ ستم رسیدہ فرد یا مظلوم معاشرہ کو امن وامان کے آستانہ پر لایا جاسکے۔ یہاں آ کر اگر وہ کسی سے مدد طلب کریں تو لوگ ان کی مدد کو دوڑ پڑیں۔

یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ معاشرے میں اقوام متحدہ کا وجود عمل میں لایا گیا۔ مگر یہ ادارہ کس حد تک مظلوموں کی فریاد سنتا ہے اور ان کی کس حد تک مدد کرتا ہے؟ فی الحال اس بحث میں پڑنے کی مجال نہیں ہے۔ تاہم معاشرے کو ایسے مرکز کی ضرورت کا احساس ہے۔ اسلام نے اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے خانہ کعبہ کو امن کا گہوارہ اور مرکز و ماویٰ قرار دیا جس کی جلالت وعظمت یہ ہے کہ ہر مسلمان پانچ وقت کی نماز خانہ خدا کی طرف رخ کر کے ادا کرتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بیت اللہ کے سایہ میں ایسی مصلح اقوام تیار کی جائیں جو مسلمانوں کی دادرسی کریں اور انسانوں کو مظالم سے نجات دلائیں۔

درحقیقت بشریت کی اس صورت میں ترقی وتعالی ہوسکتی ہے جب وہ برکات وخیرات سے سرفراز ہو اور اگر اس مسئلے کو بھی حج کی تکمیل کا حصہ سمجھ لیا جائے تو دکھی انسانیت کے درد کا بھی مداوا ہے اور مظلوموں کی فریادرسی کا بھی ذریعہ ہے اور دنیا کے ظالموں اور جابروں کیلئے بھی جائے عبرت ہے۔ اس صورت میں کعبہ ایسا مرکز بن جائے گا جہاں دنیا کے مظلوموں کی آواز کو ظالموں کے ایوانوں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

اس بنا پر یہ کہنا درست ہے کہ حج ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہے جس میں ظالموں سے نفرت وبرائت اور مظلوموں کی نصرت اور حمایت کا اعلان ہوتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی زبوں حالی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس فریضے کو فقط ظاہری رسومات تک محدود کر دیا ہے۔ یہ روح حج سے غافل ہو گئے ہیں۔ حج کی روح کو حج سے نکالنے کی وجہ سے برکت اور آسائش کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور سعادت رخت سفر باندھ لیتی ہے۔ فتنہ وفساد اور ظلم ومظالم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسلامی دنیا میں ظلم و بربریت اور فتنہ وفساد کی ایک بڑی وجہ مناسک حج کا بے روح ہونا اور اسے فقط رسم کی حد تک بجالایا جانا ہے۔ یہ مصیبتیں فلسفہ حج سے غفلت کا نتیجہ ہیں۔ آخر الزماں کی بدبختیوں کا ایک راز حقیقی حج کو مہجور اور

متروک قرار دینا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ظہور امام زمانہ علیہ السلام سے پہلے کے حالات و واقعات کو یوں بیان فرماتے ہیں:

وَ رَاَیْتَ بَیْتَ اللّٰہِ قَدْ عُطِّلَ وَ یُؤْمَرُ بِتَرْکِہٖ۔۔۔ فَکُنْ عَلٰی حَذَرٍ وَّ اطْلُبْ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ النَّجَاۃَ وَ اعْلَمْ اَنَّ النَّاسَ فِیْ سَخَطِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

اور جب تم دیکھو (راوی سے خطاب ہو رہا ہے) کہ خانہ خدا کو بند کیا جا رہا ہے اور حج کے ترک کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔۔۔ تو خبردار! ایسی صورت میں ہوشیار رہنا اور سمجھ لینا کہ لوگ غضب الٰہی کا شکار ہیں۔[1]

☆☆☆☆☆

حیرت ناک نیکیاں

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

اَلصَّدَقَۃُ عَلٰی وَجْھِھَا وَ اصْطِنَاعُ الْمَعْرُوْفِ وَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ وَ صِلَۃُ الرَّحِمِ تُحَوِّلُ الشِّقَآءَ سَعَادَۃً وَّ تَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ وَ تَقِیْ مَصَارِعَ السُّوْٓءِ۔

صدقہ کی درست ادائیگی، نیکوکاری، والدین سے نیک سلوک اور رشتہ داروں سے میل (وہ نیکیاں ہیں) جو بدبختی کو سعادت و خوش بختی میں بدل دیتی ہیں، عمر میں اضافہ کر دیتی ہیں اور ناگہانی حوادث سے محفوظ رکھتی ہیں۔

(نہج الفصاحہ، ص ۵۴۹، حدیث ۱۸۶۹)

---

[1] الکافی، ج ۸، ص ۳۸۔۳۹۔

اولاد کی تربیت میں محبت کا کردار[1]

دارالعرفان

انسان محبت اور توجہ کا بھوکا ہوتا ہے۔ محبت اور توجہ دلوں کو حیات بخشتی ہے۔ جو انسان خود کو پسند کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگ بھی اسے پسند کریں۔ محبت و چاہت انسان کو شادمان اور خوشحال کرتی ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو استاد و شاگرد دونوں کے دلوں پر مساوی طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر انسان کسی کو چاہتا نہیں ہوگا، پسند نہیں کرتا ہوگا تو اس کی تربیت کیسے کر سکتا ہے۔ تربیت اولاد میں محبت کا کردار بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ محبت، استاد و شاگرد کے درمیان ارتباط برقرار کرنے میں نہایت اہم اور کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ بہترین رابطہ وہ ہے جس کی اساس اور بنیاد محبت پر ہو۔ اس لئے کہ یہ ایک فطری اور طبیعی راستہ ہے اس کے علاوہ دوسرے تمام راستے، جن کی بنیاد زور زبردستی اور بناوٹ وغیرہ پر ہوتی ہے، وہ سب غیر طبیعی اور غیر مفید رابطے ہیں۔

بچوں کی اہم ترین نفسیاتی و فطری ضرورت محبت، التفات اور توجہ حاصل کرنا ہے اور چونکہ والدین بچوں کے سب سے پہلے سرپرست اور مربی ہیں، لہٰذا ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کی اس فطری ضرورت پر خاص توجہ مبذول کریں اور انہیں جاننا چاہیے کہ یہی وہ ضرورت ہے جو ان کی تربیت کی اساس اور بنیاد کو تشکیل دیتی ہے، لہٰذا اس ضرورت کا پورا ہونا ان کیلئے ذہنی و فطری سلامتی، خود اعتمادی اور والدین پر اعتبار کا سبب اور ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی سلامتی کا بھی باعث ہے۔

---

[1] بشکریہ از دارالعرفان (http://www.erfan.ir)۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَکْثِرُوْا مِنْ قُبْلَةِ اَوْلَادِکُمْ. فَاِنَّ لَکُمْ بِکُلِّ قُبْلَةٍ دَرَجَةً فِی الْجَنَّةِ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَةٍ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ۔

اپنے بچوں کو کثرت سے چوما کرو۔ اس لئے کہ تمہارا ہر بوسہ تمہارے لئے بہشت کے ایک درجہ کو بڑھادے گا اور بہشت کے ہر درجے کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔[1]

پس معلوم ہوا کہ والدین کو تربیت کی بنیاد مہر و محبت پر رکھنی چاہیے۔ اس لئے کہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو وہ ارتباط جو بچوں کے رشد و کمال کا سبب بن سکتا ہے، برقرار نہیں ہو سکے گا اور صحیح طرح سے تربیت نہیں ہو سکے گی۔ اسی طرح اگر والدین کا سلوک سخت اور درشت ہوگا تو وہ بچے کی نفسیاتی اور ذہنی ریخت و شکست کا سبب ہو جائے گا اور وہ بے راہ روی کا شکار ہو جائے گا۔

محبت کی اہمیت وضرورت

محبت لوگوں میں میل ملاپ اور یکجہتی کا سبب ہے۔ اگر محبت کا جذبہ نہ ہوتا تو لوگوں میں انس و محبت نہ ہوتی، کوئی بھی انسان کسی دوسرے کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ ہوتا اور ایثار و قربانی جیسے لفظوں کا وجود نہ ہوتا۔ محبت و الفت پیدا کرنے والے کام تمام انسانوں کیلئے نہایت ضروری ہیں۔ خاص طور پر تعلیمی و تربیتی اداروں کیلئے۔ اس لئے کہ محبت ہی ایسی شے ہے جو جسم و روح کی سلامتی کے ساتھ ساتھ انسان کی اخلاقی برائیوں اور کمزوریوں کی اصلاح اور بہبود روابط کا ذریعہ بنتی ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی محبت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾

پس اللہ متقین کو دوست رکھتا ہے۔[2]

﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۲۱، ص ۴۸۵۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۷۶۔

اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔[1]

انسانوں سے رابطے کی زبان، خاص طور پر بچوں سے رابطے کی زبان محبت ہونی چاہیے۔ غصہ و سختی سے کسی کی تربیت نہیں کی جاسکتی۔ تربیت میں محبت کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ محبت، اطاعت سکھاتی ہے اور محبت والے ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

انسان اسی کے ساتھ رہے گا جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔[2]

محبت و اطاعت میں معیت (ساتھ رہنا) کا رابطہ پایا جاتا ہے، محبت کے ظہور کے ساتھ اطاعت و ہمراہی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بچے کے دل میں والدین کی محبت بیٹھ گئی تو بچہ ان کا مطیع و فرمانبردار بن جائے گا اور اس کے اوپر جو ذمہ داریاں ڈالی جائیں گی وہ ان سے پہلو تہی نہیں کرے گا۔

محبت، بچوں کی ذہنی نشوونما اور نفسیاتی توازن کے اہم اسباب میں سے ہے۔ ان کی ذاتی خوبیاں اور سلوک کافی حد تک اس محبت کی مرہون منت ہوتی ہیں جو انہیں اس تربیت کے دوران ملی ہوتی ہے۔ گھر کی محبت بھری فضا اور محبت سے معمور ماحول بچوں میں نرم جذبات اور اعلیٰ اخلاقی صفات کے فروغ کا سبب ہے۔ جو بچے محبت بھرے ماحول میں تربیت پاتے ہیں وہ کمال تک پہنچتے ہیں، ڈھنگ سے سیکھتے ہیں اور دوسروں سے محبت کرتے ہیں اور سماج و معاشرہ میں بہتر انسانی اقدار کے حامل ہوتے ہیں۔ مہر و محبت ہی ہے کہ جو زندگی کو پر لطف اور بامعنی بناتی ہے اور بچوں کی استعداد کی شکوفائی اور ظہور کا سبب بنتی ہے اور ان میں جد و جہد اور تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرتی ہے۔

دین اسلام نے محبت کی بنیاد پر بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور ان سے اچھا سلوک کرتے تھے اور ہمیشہ فرماتے تھے:

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴۔

[2] مصباح الشریعہ، ص ۱۹۴۔

اَحِبُّوا الصِّبْیَانَ وَارْحَمُوْھُمْ۔

بچوں سے محبت کرو اور ان کے ساتھ الفت و محبت سے پیش آؤ۔[1]

والدین کو چاہیے کہ وہ قلبی طور پر اپنے عمل سے بچوں کو یہ یقین دلائیں کہ وہ انہیں چاہتے ہیں۔ان کی یہ بات بچوں پر مثبت اثر ڈالے گی اور کچھ ہی عرصہ میں اس کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

اگر والدین، بچوں میں ایسی تبدیلی لانا چاہتے ہیں جو ان کی ذات کو تعمیر کرے اور ان کے اندر مخصوص اعتقادات جنم لیں تو ظاہر ہے کہ یہ کام بغیر محبت اور دوستی کے کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟۔محبت و دوستی سے ہی انہیں رشد و کمال کی طرف لے جایا جاسکتا ہے۔

بچوں میں محبت کی ضرورت

انسان طبیعی اور فطری طور پر محبت کا طالب ہوتا ہے اور محبت ایک ایسی منفرد چیز ہے جس سے اسے اسیر کیا جاسکتا ہے اور بلندی کی طرف لے جایا جاسکتا ہے۔محبت، نفس کی تربیت اور سخت دلوں کی نرمی کا ذریعہ ہے۔اس لئے کہ محبت ہی ہے جس سے کسی دوسرے انسان کے دل و دماغ کو مسخر اور فتح کیا جاسکتا ہے اور اس کے دل کو اپنے قابو میں کیا جاسکتا ہے۔نیز محبت کے ذریعے ہی سرکش انسانوں کو طغیانی و سرکشی جیسی برائیوں سے نکال کر بندگی و حق و صداقت کی طرف لے جایا جاسکتا ہے۔

بچوں، نوجوانوں یہاں تک کہ بوڑھوں کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کا سبب، فطرت و طبیعت اور کمزوری و ضعیفی ہے۔محبت، بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے نہایت ضروری ہے۔اس لئے کہ اگر وہ اپنے والدین سے محبت دیکھیں گے تو تھوڑی بہت کمی و کاستی کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔

ماہرین نفسیات بہت سی برائیوں، کج رویوں اور انحرافات کا سبب، محبت اور توجہ کی کمی کو قرار دیتے ہیں اور ان کا ماننا ہے کہ جب تک اس بے توجہی یا کم توجہی کا ازالہ نہ ہوجائے اصلاح ممکن نہیں ہے۔

بچوں اور نوجوانوں کو بوڑھوں سے زیادہ محبت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔جس طرح سے کھانا پینا ان کیلئے ضروری ہے ٹھیک اسی طرح سے محبت اور توجہ بھی ضروری ہے۔محبت کے ساتھ ان کے جذبات و

---

[1] الکافی، ج ۶، ص ۴۹۔

احساسات کی بخوبی و با آسانی تربیت کی جاسکتی ہے اور انہیں اچھا انسان بنایا جاسکتا ہے۔ استاد و مربی ان کی اس ضرورت کو نظر انداز کر کے ان سے بہتر تعلقات استوار نہیں کر سکتا اور اپنا تربیتی پیغام ان تک نہیں پہنچا سکتا۔ پہلے اسے بچے کا دل جیتنا ہوگا تب کہیں جا کر اس کے ذہن و دماغ تک رسائی ممکن ہوگی۔ جب تک اسے یہ احساس نہ ہو جائے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں وہ آپ کی بات پر کان نہیں دھرے گا۔ انسان محبت کا اسیر ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ۔

نیکی و محبت انسان کو بندگی کی سرحد تک لے جاسکتی ہے۔

خداوند عالم بھی اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہے اور اس کی دوستی انسان کے رشد و کمال اور اس کی ترقی کا سبب بنتی ہے اور رذائل اور برائیوں کو اس سے دور کرتی ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی محبت کا ذکر کیا ہے جیسا کہ مربی کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿٣٩﴾﴾

میں نے اپنی محبت تمہارے دل میں ڈال دی تا کہ تم میری آنکھوں کے سامنے تربیت پاؤ۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَبْدًا اَلْهَمَهُ الطَّاعَةَ وَ اَلْزَمَهُ الْقَنَاعَةَ وَ فَقَّهَهُ فِي الدِّيْنِ۔

جب پروردگار عالم اپنے بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کے دل میں اپنی اطاعت کا الہام کر دیتا ہے، اسے قناعت کی توفیق بخش دیتا ہے اور اسے دین کی عمیق فہم عطا کر دیتا ہے۔[2]

ایسے والدین جو اپنے بچوں کے ساتھ دوستی اور بے تکلفی کا رشتہ بنا سکیں اور ان میں خوشی اور امید جیسے جذبے کو زندہ رکھ سکیں، وہ اپنی تربیت میں کامیاب ہیں اور تربیت کا یہ نسخہ نہایت مؤثر ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

قَالَ مُوْسٰى (ع): يَا رَبِّ! اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ عِنْدَكَ؟ قَالَ: حُبُّ الْاَطْفَالِ

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت ۳۹۔

[2] اعلام الدین فی صفات المومنین، ص ۲۷۸۔

فَاِنِّیْ فَطَرْتُھُمْ عَلٰی تَوْحِیْدِیْ. فَاِنْ اَمَتُّھُمْ اَدْخَلْتُھُمْ جَنَّتِیْ بِرَحْمَتِیْ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! کون سا عمل تیرے نزدیک افضل و برتر ہے؟ ارشاد ہوا: بچوں سے محبت کرو۔ اس لئے کہ میں نے انہیں اسلام اور توحید کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اگر میں انہیں عالم طفولیت میں موت دے دوں تو انہیں اپنی رحمت سے اپنی جنت میں داخل کروں گا۔[1]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا۔

جو شخص بچوں پر مہربانی اور بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[2]

تربیت کی سب سے اہم اور مؤثر روش محبت ہے۔ محبت، جاذبیت، کشش اور مقصدیت پیدا کرتی ہے اور سرکش و منہ زور انسانوں کو رام کر دیتی ہے اور گھر کے نالائق و نافرمان بچوں کو آرام اور سکون بخشتی ہے۔ بچے گھروں میں قانون اور رعایتوں سے زیادہ محبت و عطوفت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور ان کی ذہنی و نفسیاتی سلامتی و سعادت مندی کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب گھر کی فضا اور ماحول میں الفت و عطوفت، مہر و محبت قائم و استوار ہو، لہٰذا اگر والدین بچوں کی اس ضرورت پر قادر نہ ہوں تو ان کے یہاں احساس کمتری پیدا ہو جائے گا جو انہیں آگے جا کر فردی و معاشرتی زندگی میں مشکلوں سے دوچار کرے گا۔

گھر کے ماحول کو محبت سے پر ہونا چاہیے، تاکہ بچوں کیلئے اس میں محنت و جدوجہد کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ محبت، تعلیم و تربیت کے بہت سے موانع اور مشکلات کو برطرف کرتی ہے۔ خاص طور پر فکری و ثقافتی امور میں محبت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ بہت سے کام ایک مسکراہٹ سے حل ہو جاتے ہیں جو بڑی بڑی کوششوں اور جانفشانیوں سے حل نہیں ہوتے۔

---

[1] امالی شیخ مفیدؒ، ص ۱۸۔

[2] جامع الاخبار، ص ۹۲۔

فارسی شاعر علامہ سیّد اسماعیل بلخی کے بقول:

دل که در وی عشق نبود حفره تنگ است و بس

بی محبت یک جهان هم یک نفس است و بس

اور مولانا رومی کے بقول:

از محبت تلخها شیرین شود از محبت مسها زرین شود

از محبت دردها صافی شود از محبت دردها شافی شود

از محبت مرده زنده می کنند از محبت شاه بنده می کنند

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ استاد و شاگرد کے درمیان رعب وخوف کا رشتہ ہونا چاہیے تا کہ اچھی تربیت ہو سکے۔ مگر وہ اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ رعب وخوف سے اگر چہ وقتی طور پر بری عادتوں پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے لیکن ظاہر ہے یہ اس وقت تک ہی ہوگا جب تک ان کا اثر انسان پر باقی رہے گا اور ان کے زائل ہونے پر تمام بری صفات اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ ظاہر ہو جائیں گی۔

محبت کا اظہار

والدین کی اولاد سے محبت کے باب میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ اپنی دلی محبت پر قناعت اور اکتفا نہ کریں۔ اس لئے کہ محبت، تربیت میں اس وقت مؤثر واقع ہو سکتی ہے جب اس کا اظہار بھی کیا جائے۔ پس والدین اور اساتذہ، اولاد اور شاگردوں پر ظاہر کریں کہ وہ ان سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ صرف دل سے محبت کرنا، محبت کرنے والے کیلئے تو مفید ہو سکتا ہے مگر اس کیلئے نہیں جس سے محبت کی جا رہی ہے۔ اظہارِ محبت ایک ایسا نسخہ ہے جس کی تاکید معصومین علیہم السلام نے متعدد مقامات پر کی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَآ اَحَبَّ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُعْلِمْهُ فَاِنَّهُ اَصْلَحُ لِذَاتِ الْبَیْنِ۔

اگر تم اپنے ایمانی بھائی کو دوست رکھتے ہو تو اس کا اظہار کرو۔ اس لئے کہ یہ اظہار تمہاری محبت اور دوستی کیلئے زیادہ بہتر ہے۔[1]

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۱۸۲۔

ایک روز ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام کے حضور میں عرض کیا: مولا! میں اس شخص سے محبت کرتا ہوں تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَلَا فَاَعْلِمْهُ فَاِنَّهٗ اَبْقٰی لِلْمَوَدَّةِ وَ خَیْرٌ فِی الْاُلْفَةِ۔

تم اپنی اس محبت کا اس سے اظہار کرو، اس لئے کہ ایسا کرنے سے تمہاری محبت و تعلقات میں مزید استحکام پیدا ہوگا۔[1]

پس والدین کو چاہیے کہ وہ مختلف طریقوں سے اپنی اولاد سے محبت کا اظہار کریں، محبت کا صرف دل میں ہونا کافی نہیں ہے۔ آگاہ اور ماہر والدین وہ ہیں جو نہایت سلیقہ سے اپنی محبت اپنے بچوں تک پہنچائیں اور انہیں اپنی محبت کا احساس دلائیں۔ جب بچے یہ محسوس کریں گے کہ ان کے والدین ان سے محبت کرتے ہیں، ان کی بھلائی چاہتے ہیں، ان کا بہتر مستقبل چاہتے ہیں، ان کی ترقی و کامیابی کیلئے کوشاں ہیں اور ان کی بھلائی اور اچھی تربیت کیلئے ہر طرح سے تیار ہیں تو وہ بھی اپنے والدین سے محبت کرنے لگیں گے اور ان کی تربیتی باتوں کا اثر لیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔

محبت میں افراط وتفریط

تربیت کی راہ میں محبت کی روش اس وقت مفید و موثر ہوسکتی ہے جب حد اعتدال سے خارج نہ ہو اور افراط وتفریط تک نہ پہنچے۔ عدم توجہ اور محبت کی کمی، بچوں کو غلط راہ پر ڈال دیتی ہے۔ ایسی محبت جو بچوں کے رشد وارتقا کا سبب بن سکتی ہے وہ ایسی محبت ہے جس میں اعتدال وحقیقت ہو، جو تکلف وتصنع سے پاک ہو اور ان کی عمر اور حالت سے مناسبت رکھتی ہو۔

بچوں کی ذہنی ونفسیاتی تربیت میں محبت کا کردار غذا کی طرح ہے۔ جس طرح سے غذا کی کمی وزیادتی ان کے جسم کے پر مثبت ومنفی اثر ڈال سکتی ہے، اس طرح سے محبت وتوجہ کی کمی وزیادتی ان کے دل ودماغ پر منفی اثر ڈال سکتی ہے۔

---

[1] المحاسن، ج۱، ص۲۶۶۔

گزشتہ زمانوں میں بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کے بہت سے غلط اصول وضوابط مثلاً ان سے تحقیر آمیز سلوک کرنا، ان سے سخت کام لینا، برا بھلا کہنا، گالی دینا وغیرہ پر عمل کیا جاتا تھا جس کا نتیجہ شدت پسندی واضطراب، بدبینی، نفرت اور برائیوں کے ارتکاب کی شکل میں سامنے آتا تھا، جبکہ عصر حاضر میں علوم کی ترقی اور علم النفس وغیرہ کی تحقیقات کے منظر عام پر آنے سے، بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کی روش میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ان سے محبت آمیز سلوک ہوتا کہ ان سے گزشتہ زمانوں والی برائیوں کا ارتکاب سامنے نہ آئے۔ مگر والدین کے افراط اور بیجالاڈ پیار سے اس طرح کی دوسری نازیبا باتیں بچوں میں جنم لینے لگتی ہیں جو ان کی غلط تربیتی روش کا نتیجہ ہیں اور جس کے نتیجہ میں پُرتوقع، مغرور وخود پسند، کمزور اور جلدی ناراض ہوجانے والے بچے وجود میں آتے ہیں جو زندگی میں پیش آنے والی معمولی سی سختی اور تنگی میں مایوسی، لڑائی جھگڑے، ذہنی ونفسیاتی امراض اور ڈپریشن کا شکار ہوجاتے ہیں اور تعلیمی وتربیتی و معاشرتی زندگی میں شکست سے دوچار ہوجاتے ہیں۔

پس والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو دل کی گہرائیوں سے چاہیں مگر کھلی آنکھوں کے ساتھ ان کی برائیوں پر بھی نظر رکھیں اور نہایت ہوشیاری سے ان کی اصلاح کریں۔ بے شک جنسی خواہشات اور شہوات فطری ہیں، محبت وعشق فطری ہے مگر اس کے مقابلہ میں ہمارا ردعمل اور ہوشیاری دکھانا بھی ضروری ہے۔ بچوں کی جائز وناجائز باتوں پر بلاچون وچراہاں کہنا صحیح نہیں ہے۔ ایسے مواقع پر ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے پیار کرنے سے نہ صرف یہ کہ نتیجہ ٹھیک نہیں نکلے گا بلکہ ان کی شخصیت پر ایسا منفی اثر ڈالے گا کہ جس کا ازالہ ممکن نہیں ہوگا۔

محبت میں برابری ومساوات

اس باب میں قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ بچوں سے مہر ومحبت میں عدالت ومساوات کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں سے محبت میں کسی طرح کی تفریق کے قائل نہ ہوں۔ اس لئے کہ ایسا کرنے سے وہ آپس میں ایک دوسرے کے احترام کے قائل نہیں رہیں گے اور گھر کے ماحول سے بیزار ہوجائیں گے۔

معصومین علیہم السلام کی سیرت اس سلسلہ میں بچوں میں عدالت اور مساوات کی رعایت کرنا رہی ہے۔ خاص طور پر وہ حضراتؑ بچوں سے محبت کے معاملے میں فرق کے قائل نہیں ہیں۔

ایک مرتبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب سے محو گفتگو تھے کہ ایک بچہ بزم میں وارد ہوا اور اپنے باپ کی طرف بڑھا جو ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ باپ نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنے داہنے زانو پر بیٹھا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بیٹی داخل ہوئی اور باپ کے قریب گئی۔ باپ نے اس کے سر پر بھی دست شفقت پھیرا اور اپنے قریب بٹھالیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس کے دوسرے سلوک کو ملاحظہ کیا تو فرمایا: ''تم نے اسے اپنے دوسرے زانو پر کیوں نہیں بیٹھایا''؟ تو اس شخص نے بچی کو اپنے دوسرے زانو پر بٹھالیا۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا:

اِعْدِلُوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ کَمَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَعْدِلُوْا بَیْنَکُمْ فِی الْبِرِّ وَ اللُّطْفِ۔

اپنے بچوں کے درمیان انصاف کرو، جس طرح سے تم پسند کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ نیکی اور محبت میں مساوات کے ساتھ سلوک کیا جائے۔[1]

پس بچوں کے درمیان عدالت و مساوات کی رعایت کرنا تربیت کے اہم نکات میں سے ایک ہے، جس کی رعایت نہ کرنے سے برے آثار و نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

محبت کے فوائد و آثار

بچوں سے محبت کے بہت سے آثار و فوائد ہیں، جن میں بعض کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے:

- ۱۔ محبت، شادابی و نشاط کا سبب ہے، لہٰذا جو والدین اپنے بچوں سے زیادہ محبت کریں گے وہ انہیں زیادہ خوش اور مطمئن رہنے میں مدد کریں گے۔
- ۲۔ بچے اس روش سے یہ سیکھتے ہیں کہ دوسروں سے کیسے محبت کی جائے۔ جو بچے محبت سے محروم رہتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے مشکلوں کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ دوسروں سے محبت آمیز سلوک میں بھی الجھنوں سے دوچار ہو جاتے ہیں اور آئندہ چل کر بہتر اور مناسب سلوک

[1] بحار الانوار، ج ۱۰۱، ص ۹۲۔

سے محروم ہوجاتے ہیں۔

● ۳۔محبت سے بچوں میں خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے۔جن بچوں میں خوداعتمادی پائی جاتی ہے وہ اپنی مشکلات کے حل کیلئے دوسروں کا انتظار نہیں کرتے بلکہ اپنی بلند ہمتی اور مضبوط ارادے کے ساتھ وارد عمل ہوجاتے ہیں اور جب تک ہدف اور مقصد تک نہیں پہنچ جاتے ،محنت وجدوجہد کرتے رہتے ہیں۔

● ۴۔بچوں میں کچھ کرنے کا جذبہ پیدا کرنے والے اسباب میں سے ایک کلی اصول یہ ہے کہ جو بچے محبت پاتے ہیں وہ زیادہ محنت کرتے ہیں اور تعلیم اور ترقی کی اعلیٰ منازل تک بہتر رسائی حاصل کرتے ہیں۔

● ۵۔محبت سے اولاد کی توجہ حاصل کی جاسکتی ہے جس کے نتیجہ میں اولاد والدین پر اعتماد کرنے لگتی ہے اوران کی مطیع بن جاتی ہے۔اس روش سے بچوں کی تربیت کے بہتر مواقع فراہم ہوجاتے ہیں۔اس لئے کہ انسان اور خاص طور پر بچے اور نوجوان محبت میں کشش محسوس کرتے ہیں اور خود سے محبت کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں،انہیں پسند کرتے ہیں اوران کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

قُلُوْبُ الرِّجَالِ وَحْشِيَّةٌ فَمَنْ تَأَلَّفَهَا اَقْبَلَتْ عَلَيْهِ۔

انسان کا قلب وحشی ہوتا ہے جو اس سے محبت کرتا ہے وہ اس کی طرف جھک جاتا ہے۔[1]

✲✲✲✲✲

[1] نہج البلاغہ،حکمت نمبر ۴۸۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام[1]

آستان قدس رضوی

ولادتِ باسعادت

سبطِ پیغمبرؐ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری کی شب کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے[2]۔ ولادت سے قبل جناب اُمّ الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا ان کے گھر میں آ پہنچا ہے۔ خواب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری لختِ جگر فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تم کروگی۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی پیدائش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ آپؑ کی ولادت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے مقطوع النسل ہونے کا دھبہ صاف کردیا اور دنیا کے سامنے سورۂ کوثر کی عملی تفسیر پیش کردی۔

آپؑ کا نام نامی

ولادت کے بعد اسم گرامی ''حمزہ'' تجویز ہو رہا تھا، لیکن سرور کائنات نے بحکم خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وزیر ہارون کے فرزندوں کے ''شبر و شبیر'' نام پر آپؑ کا نام ''حسن'' اور بعد میں آپؑ کے بھائی کا نام ''حسین'' رکھا۔

بحارالانوار میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جبرئیل امینؑ نے سرور کائنات

---

[1] بشکریہ از: آستان قدس رضوی (http://news.aqr.ir)۔

[2] الطبقات الکبریٰ، ج ۵، ص ۲۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک سفید ریشمی رومال پیش کیا جس پر ''حسن'' لکھا ہوا تھا۔

ماہر علم النسب علامہ ابوالحسین کا کہنا ہے:

خداوند عالم نے سیّدۂ کونین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دونوں شاہزادوں کا نام انظارِ عالم سے پوشیدہ رکھا تھا۔

یعنی ان سے پہلے ''حسن وحسین'' نام سے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا۔ کتاب اعلام الوریٰ کے مطابق یہ نام بھی لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

آپؑ کا عقیقہ

آپؑ کی ولادت کے ساتویں دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے عقیقہ فرمایا اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی تصدق کی۔[1]

علامہ کمال الدین کا بیان ہے کہ عقیقہ کے سلسلے میں دنبہ ذبح کیا گیا تھا۔[2]

کتاب الکافی میں شیخ کلینیؒ نے روایت کی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیقہ کے وقت جو دعا پڑھی تھی اس میں یہ عبارت بھی تھی:

اَللّٰھُمَّ عَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَ لَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَ شَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا وِقَآءً لِّمُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ۔

خدایا! اس کی ہڈی مولود کی ہڈی کے عوض، اس کا گوشت اس کے گوشت کے عوض، اس کا خون اس کے خون کے عوض، اس کا بال اس کے بال کے عوض قرار دے اور اسے محمد وآل محمد علیہم السلام کیلئے ہر بلا سے نجات کا ذریعہ بنا دے۔[3]

---

[1] اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۱۳۔

[2] مطالب السئول، ص ۲۲۰۔

[3] الکافی، ج ۶، ص ۳۳۔

امام حسنؑ پیغمبر اسلامؐ کی نظر میں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے لیکن قرآن مجید نے انہیں فرزند رسول کا درجہ دیا ہے اور اپنے دامن میں جابجا آپؑ کے تذکرہ کو جگہ دی ہے۔ خود سرور کائناتؐ نے بے شمار احادیث آپؑ کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں:

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا: ''میں حسنینؑ کو دوست رکھتا ہوں اور جو انہیں دوست رکھے اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں''۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ ایک کندھے پر امام حسن علیہ السلام کو اور ایک کندھے پر امام حسین علیہ السلام کو بٹھائے ہوئے لئے جا رہے ہیں اور باری باری دونوں کا منہ چومتے جاتے ہیں۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حسنینؑ آپ کی پشت پر سوار ہو گئے کسی نے روکنا چاہا تو آنحضرتؐ نے اشارہ سے منع کر دیا۔[1]

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں اس دن سے امام حسن علیہ السلام کو بہت زیادہ دوست رکھنے لگا ہوں جس دن میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں بیٹھ کر انہیں آپؐ کی داڑھی سے کھیلتے دیکھا ہے۔[2]

ایک دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسن علیہ السلام کو کاندھے پر سوار کئے ہوئے کہیں لیے جا رہے تھے۔ ایک صحابی نے کہا کہ: اے صاحبزادے تمہاری سواری کس قدر اچھی ہے! یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بھی کہو کہ کس قدر اچھا سوار ہے''۔[3]

امام بخاری اور امام مسلم لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسن علیہ السلام کو کندھے پر بٹھائے ہوئے فرما رہے تھے: ''خدایا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر''۔

---

[1] الاصابہ، ج ۲، ص ۱۲۔

[2] نور الابصار، ص ۱۱۹۔

[3] اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۵۔

حافظ ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ: ایک دن آنحضرت ﷺ نماز جماعت پڑھا رہے تھے کہ اچانک امام حسنؑ آ گئے اور وہ دوڑ کر پشت رسولؐ پر سوار ہو گئے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے نہایت نرمی کے ساتھ سر اٹھایا، اختتام نماز پر آپؐ سے اس کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: ''یہ میرا پھول ہے، یہ میرا بیٹا سیّد ہے۔''

امام نسائی عبداللہ ابن شداد سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک دن آنحضرت ﷺ نماز عشاء پڑھانے کیلئے تشریف لائے تو آپؐ کی آغوش میں امام حسن علیہ السلام تھے۔ آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول ہو گئے۔ جب سجدہ میں گئے تو اتنا طول دیا کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ شاید آپؐ پر وحی نازل ہونے لگی ہے۔ اختتام نماز پر آپؐ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ: ''میرا فرزند میری پشت پر آ گیا تھا۔ میں نے یہ نہ چاہا کہ اسے اس وقت تک پشت سے اتاروں جب تک کہ وہ خود نہ اتر جائے، اس لئے سجدہ کو طول دینا پڑا''۔

حکیم ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے لکھا ہے کہ: آنحضرت ﷺ ایک دن محو خطبہ تھے کہ حسنین شریفینؑ آ گئے اور امام حسن علیہ السلام کے پاؤں دامن عبا میں اس طرح الجھے کہ زمین پر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انہیں آغوش میں اٹھا لیا اور منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ شروع فرمایا۔[1]

امام حسنؑ، جنت کے سردار ہیں

آل محمد علیہم السلام کی سرداری مسلمات میں سے ہے۔ علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اَبُوْهُمَا خَیْرٌ مِّنْهُمَا۔

حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے والد بزرگوار (علی بن ابی طالبؑ) ان دونوں سے افضل ہیں۔[2]

---

[1] مطالب السئول، ص ۲۲۳۔

[2] قرب الاسناد، ص ۱۱۱۔

جناب حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دن بہت زیادہ مسرور پاکر عرض کی: یارسول اللہ! آج افراط شادمانی کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: ''مجھے آج جبرئیلؑ نے یہ بشارت دی ہے کہ میرے دونوں فرزند امام حسنؑ و امام حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد علی ابن ابی طالب ان سے بھی بہتر ہیں۔[1]

امام حسنؑ اور ترجمانی وحی

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: امام حسن علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ آپؑ انتہائی کم سنی کے عالم میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی من وعن اپنی والدہ ماجدہ کو سنا دیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: اے بنت رسولؐ! میرا جی چاہتا ہے کہ میں حسن کو ترجمانی وحی کرتے ہوئے خود دیکھوں اور سنوں۔ سیّدہؑ نے امام حسنؑ کے پہنچنے کا وقت بتا دیا۔ ایک دن امیر المومنین علی علیہ السلام امام حسن علیہ السلام سے پہلے گھر میں تشریف لے آئے اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ امام حسن علیہ السلام حسب معمول تشریف لائے اور ماں کی آغوش میں بیٹھ کر وحی سنانا شروع کر دی لیکن تھوڑی دیر کے بعد عرض کی: اماں جان! آج زبان وحی ترجمان میں لکنت اور بیان مقصد میں رکاوٹ ہو رہی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرے بزرگ محترم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے دوڑ کر امام حسن علیہ السلام کو آغوش میں اٹھا لیا اور بوسہ دینے لگے۔[2]

امام حسنؑ کا بچپن اور مسائل علمیہ

یہ مسلمات میں سے ہے کہ حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام کو علم لدنی ہوا کرتا تھا۔ وہ دنیا میں تحصیل علم کے محتاج نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بچپن میں ہی ایسے مسائل علمیہ سے واقف ہوتے تھے جن سے دنیا کے عام علماء اپنی زندگی کے آخری عمر تک بے بہرہ رہتے ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام جو خانوادۂ رسالت کی ایک فرد اکمل اور سلسلہ عصمت کی ایک مستحکم کڑی تھے، کے بچپن کے حالات و

---

[1] کنز العمال، ج ۷، ص ۱۰۷۔ الصواعق المحرقہ، ص ۱۱۷۔

[2] مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۴۶۔

واقعات دیکھے جائیں تو اس دعویٰ کا بخوبی ثبوت مل جائے گا:

● ۱۔ مناقب ابن شہر آشوب میں بحوالہ شرح اخبار قاضی نعمان مرقوم ہے کہ: ایک سائل حضرت ابوبکر کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا کہ میں نے حالت احرام میں شتر مرغ کے چند انڈے بھون کر کھا لئے ہیں۔ بتایئے کہ مجھ پر کیا کفارہ واجب الادا ہوا؟ اس سوال کا جواب انہیں معلوم نہ تھا تو کہا کہ اسے عبدالرحمن بن عوف کے پاس لے جاؤ۔ جب وہی سوال دہرایا گیا تو وہ بھی خاموش ہو گئے اور کہا کہ اس کا جواب تو امیر المومنین علی علیہ السلام ہی دے سکتے ہیں۔ سائل حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔ آپؑ نے سائل سے فرمایا کہ: میرے دو چھوٹے بچے جو سامنے نظر آ رہے ہیں ان سے دریافت کر لے۔ سائل امام حسن علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور مسئلہ دہرایا۔ امام حسن علیہ السلام نے جواب دیا کہ تو نے جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی ہی عمدہ اونٹنیاں لے کر انہیں حاملہ کراؤ اور ان سے جو بچے پیدا ہوں انہیں راہ خدا میں ہدیہ خانہ کعبہ کر دے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے ہنس کر فرمایا کہ: بیٹا! جواب تو بالکل صحیح ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ کچھ حمل ضائع ہو جاتے ہیں اور کچھ بچے مر جاتے ہیں۔ عرض کی: بابا جان! بالکل درست ہے مگر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کچھ انڈے بھی خراب اور گندے نکل آتے ہیں۔ یہ سن کر سائل پکار اٹھا کہ ایک مرتبہ اپنے عہد میں سلیمان بن داؤد نے بھی یہی جواب دیا تھا جیسا کہ میں نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے۔

● ۲۔ ایک روز امیر المومنین علی علیہ السلام مقام رحبہ میں تشریف فرما تھے اور حضرات حسنین شریفین علیہما السلام بھی وہاں موجود تھے۔ اچانک ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ: میں آپؑ کی رعایا اور بلد شہر کا رہنے والا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ: تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نہ میری رعایا میں سے ہے اور نہ میرے کسی شہر کا شہری ہے، بلکہ تو بادشاہ روم کا فرستادہ ہے، تجھے اس نے امیر شام کے پاس چند مسائل دریافت کرنے کیلئے بھیجا تھا اور اس نے میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اس نے کہا: یا حضرتؑ! آپؑ کا ارشاد بالکل درست ہے۔ مجھے امیر شام نے پوشیدہ طور پر آپؑ کے پاس بھیجا ہے اور اس کا حال خداوند عالم کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے مگر آپؑ بہ علم امامت سمجھ گئے۔ آپؑ نے فرمایا کہ: اچھا اب ان مسائل کے جوابات ان دو بچوں میں سے

کسی ایک سے پوچھ لے۔ وہ امام حسن علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔ چاہتا تھا کہ سوال کرے کہ امام حسنؑ نے فرمایا: اے شخص! تو یہ دریافت کرنے آیا ہے کہ:

الف: حق و باطل میں کتنا فاصلہ ہے؟

ب: زمین و آسمان تک کتنی مسافت ہے؟

ج: مشرق و مغرب میں کتنا فاصلہ ہے؟

د: قوس قزح کیا چیز ہے؟

ھ: ''مخنث'' کسے کہتے ہیں؟

و: وہ دس چیزیں کونسی ہیں جن میں سے ہر ایک کو خدا نے دوسری سے سخت اور حاوی پیدا کیا ہے۔

اس نے تصدیق کی کہ واقعی اس کے یہی سوال ہیں۔ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام نے اس کے ان سوالوں کے یہ جوابات عنایت فرمائے:

الف: حق و باطل میں چار انگشت کا فرق و فاصلہ ہے۔ اکثر و بیشتر جو کچھ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے وہ حق ہے اور جو کان سے سنا جائے وہ باطل ہے۔ (آنکھ سے دیکھا تو یقینی جبکہ کان سے سنا تو محتاج تحقیق)۔

ب: زمین اور آسمان کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ مظلوم کی آہ اور آنکھ کی روشنی پہنچ جاتی ہے۔

ج: مشرق و مغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں طے کر لیتا ہے۔

د: ''قوس قزح'' اصل میں ''قوسِ خدا'' ہے۔ اس لئے کہ ''قزح'' شیطان کا نام ہے۔ یہ فراوانی رزق اور اہل زمین کیلئے غرق سے امان کی علامت ہے۔ اس لئے اگر یہ خشکی میں نمودار ہوتی ہے تو بارش کے حالات میں سے سمجھی جاتی ہے اور بارش میں نکلتی ہے تو ختم باران کی علامت شمار کی جاتی ہے۔

ھ: ''مخنث'' وہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت اور اس کے جسم میں دونوں کے اعضاء ہوں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ تا حد بلوغ انتظار کریں اگر محتلم ہو تو مرد اور حائض ہو اور پستان ابھر آئیں تو عورت ہے۔ اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کے پیشاب کی دھاریں سیدھی جاتی ہیں یا نہیں۔ اگر سیدھی جاتی ہیں تو مرد، ورنہ عورت ہے۔

و: وہ دس چیزیں جن میں سے ایک دوسرے پر غالب وقوی ہے وہ یہ ہیں: خدا نے سب سے زیادہ پتھر کو سخت پیدا کیا ہے، مگر اس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے اور اس سے زائد سخت آگ ہے جو لوہے کو پگھلا دیتی ہے اور آگ سے زیادہ سخت اور قوی پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے اور اس سے زیادہ طاقتور بادل ہے جو پانی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے زیادہ قوی ہوا ہے جو بادل کو اڑائے پھرتی ہے اور ہوا سے زیادہ سخت اور قوی فرشتہ ہے جس کی ہوا محکوم ہے اور اس سے زیادہ سخت وقوی ملک الموت ہے جو ہوا کے فرشتے کی بھی روح قبض کر لے گا اور موت سے زائد سخت وقوی حکم خدا ہے جو موت کو بھی ٹال دیتا ہے۔ یہ جوابات سن کر سائل حیران رہ گیا۔

● ۳۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ: ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہے اور اسی جگہ ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے جب اس سے پوچھا گیا کہ تو نے اسے قتل کیا ہے، تو اس نے کہا ہاں! لوگ اسے جسد مقتول سمیت جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کی خدمت میں لے چلے۔ اتنے میں ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اسے چھوڑ دو اس مقتول کا قاتل میں ہوں۔ ان لوگوں نے اسے بھی ساتھ لے لیا اور حضرتؑ کے پاس لے گئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ آپؑ نے پہلے شخص سے پوچھا کہ: جب تو اس کا قاتل نہیں تھا تو کیا وجہ ہے کہ اپنے کو اس کا قاتل بیان کیا۔ اس نے کہا: مولا! میں قصاب ہوں، گوسفند ذبح کر رہا تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ میں اس حالت میں خون آلود چھری میں لئے ہوئے اس خرابہ میں چلا گیا وہاں دیکھا کہ یہ مقتول تازہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اتنے میں لوگ آ گئے اور مجھے پکڑ لیا۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس وقت جبکہ قتل کے سارے قرائن موجود ہیں اور میرے انکار کا کسی کو یقین نہیں آئے گا، چنانچہ میں نے اقرار جرم کر لیا۔

پھر آپ نے دوسرے سے پوچھا کہ تو اس کا قاتل ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! میں ہی اسے قتل کر کے چلا گیا تھا جب دیکھا کہ ایک قصاب کی ناحق جان چلی جائے گی تو حاضر ہو گیا۔ آپؑ نے فرمایا: میرے فرزند حسنؑ کو بلاؤ وہی اس مقدمہ کا فیصلہ سنائیں گے۔ امام حسن علیہ السلام تشریف لائے اور سارا قصہ سنا اور فرمایا: دونوں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ قصاب بے قصور ہے اور یہ شخص اگرچہ قاتل ہے مگر اس نے ایک نفس

کو قتل کیا تو دوسرے نفس (قصاب) کو بچا کر اسے حیات دی اور اس کی جان بچالی اور حکم قرآن ہے کہ ''جس نے ایک نفس کی جان بچائی اس نے گویا تمام لوگوں کی جان بچائی'' لہٰذا اس مقتول کا خون بہا بیت المال سے دیا جائے۔

● ۴۔علی ابن ابراہیم قمیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ: شاہ روم نے جب حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں امیر شام کی چیرہ دستیوں سے آگاہی حاصل کی تو دونوں کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایک نمائندہ بھیج دیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے امام حسن علیہ السلام اور امیر شام کی طرف سے یزید کی روانگی عمل میں آئی۔ یزید نے وہاں پہنچ کر شاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسن علیہ السلام نے جاتے ہی کہا کہ: خدا کا شکر ہے میں یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ نہیں ہوں بلکہ خالص مسلمان ہوں۔ شاہ روم نے چند تصاویر نکالیں۔ یزید نے کہا: میں ان سے ایک کو بھی نہیں پہنچانتا اور نہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کن حضرات کی شکلیں ہیں۔ امام حسن علیہ السلام نے حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور شعیب وغیرہ کی تصویریں دیکھ کر پہچان لیں اور ایک تصویر دیکھ کر آپؑ رونے لگے۔ بادشاہ نے پوچھا: یہ کس کی تصویر ہے؟ فرمایا: میرے جد نامدار کی۔ اس کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ: وہ کون سے جاندار ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے؟ آپ نے فرمایا: اے بادشاہ وہ سات جاندار ہیں: ۱ و ۲) آدمؑ و حوا، ۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دنبہ، ۴) حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، ۵) ابلیس، ۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا، ۷) وہ کوا جس نے ہابیل کے دفن میں قابیل کی رہنمائی کی تھی۔ بادشاہ نے آپ کا عظیم علمی مقام دیکھ کر آپ کی بڑی عزت کی اور تحائف کے ساتھ واپس کیا۔

آپؑ کی سخاوت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے کچھ مانگا۔ دست سوال دراز ہونا تھا کہ آپؑ نے پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں دے دیں اور فرمایا کہ: مزدور لا کر اسے اٹھوا لے جا۔ اس کے بعد آپؑ نے مزدور کی مزدوری میں اپنا پیراہن مبارک بخش دیا۔[1]

[1] مراۃ الجنان، ص ۱۲۳۔

ایک مرتبہ آپؑ نے ایک سائل کو دیکھا جو خدا سے دُعا کرتے ہو کہہ رہا تھا: خدایا! مجھے دس ہزار درہم عطا فرما۔ آپؑ نے گھر پہنچ کر مطلوبہ رقم بھجوادی۔[1]

ایک دفعہ آپؑ سے کسی نے پوچھا کہ آپ تو فاقہ کرتے ہیں لیکن سائل کو محروم واپس نہیں فرماتے تو ارشاد فرمایا کہ: میں خدا سے مانگنے والا ہوں، اس نے مجھے دینے کی عادت ڈال رکھی ہے اور میں نے لوگوں کو دینے کی عادت ڈالی رکھی ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنی عادت بدل دوں، تو کہیں خدا بھی اپنی عادت نہ بدل دے اور مجھے بھی محروم کردے۔[2]

امام حسن حلم اور اخلاق کے میدان میں

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں:

ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں امیر شام کا ایک طرفدار شامی سامنے ہو گیا۔ اس نے حضرتؑ کی شان میں گستاخی کرنا شروع کردی۔ آپؑ نے اس کا مطلقاً کوئی جواب نہ دیا۔ جب وہ اپنی بھڑاس نکال چکا تو آپؑ اس کے قریب گئے اور اس کو سلام کر کے فرمایا کہ: بھائی شاید تو مسافر ہے، سن اگر تجھے سواری کی ضرورت ہو تو میں تجھے سواری دیدوں، اگر تو بھوکا ہے تو کھانا کھلا دوں، اگر تجھے کپڑے درکار ہوں تو کپڑے دیدوں، اگر تجھے رہنے کو جگہ چاہیے تو مکان کا انتظام کردوں، اگر دولت کی ضرورت ہے تو تجھے اتنا دیدوں کہ تو خوش حال ہو جائے۔ یہ سن کر شامی بے انتہا شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین خدا پر اس کے خلیفہ ہیں۔ مولا! میں تو آپؑ کو اور آپؑ کے باپ دادا کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، لیکن آج آپؑ کے اخلاق نے مجھے آپؑ کا گرویدہ بنا دیا۔ اب میں آپؑ کے قدموں سے دور نہ جاؤں گا اور تا حیات آپ کی خدمت میں رہوں گا۔[3]

---

[1] نور الابصار، ص ۱۲۲۔

[2] نور الابصار، ص ۱۲۳۔

[3] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۵۳۔

عہد امیر المومنینؑ میں امام حسنؑ کی اسلامی خدمات

تواریخ میں ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد مسلمانوں نے ظاہری خلیفہ کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد جمل، صفین، نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ ہی نہیں رہے بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپؑ نے کارہائے نمایاں بھی کئے۔ سیر الصحابہ اور روضۃ الصفا میں ہے کہ جنگ صفین کے سلسلہ میں جب کوفہ کے گورنر کا اصل چہرہ کھل کر سامنے آ گیا تو امیر المومنینؑ نے حضرت امام حسن علیہ السلام اور جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ فرمایا۔ آپؑ نے جامع کوفہ میں ابوموسیٰ اشعری کی تمام ریشہ دانیوں کو اپنی تقریر سے بے اثر بنا دیا اور لوگوں کو جمل والوں سے مقابلہ کرنے کیلئے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ کیلئے جانے پر آمادہ کر دیا۔ اخبار الطوال کی روایت کی بنا پر نو ہزار چھ سو پچاس افراد کا لشکر تیار ہو گیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جنگ جمل کے بعد جب حضرت عائشہؓ مدینہ جانے پر آمادہ نہ ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو بھیجا کہ انھیں سمجھا کر مدینہ روانہ کریں۔ چنانچہ وہ اس سعی میں ممدوح و کامیاب ہو گئے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام جنگ جمل و صفین میں علمدار لشکر تھے اور آپؑ نے معاہدہ تحکیم پر دستخط بھی فرمائے تھے اور جنگ جمل و صفین اور نہروان میں بھی سعی بلیغ کی تھی۔

فوجی کاموں کے علاوہ سرکاری مہمان خانے کا انتظام آپؑ کے سپرد تھا۔ آپؑ مختلف مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے اور بیت المال کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔

اس مختصر مقالے میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پروردگار ہمیں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے سچے چاہنے والوں میں سے قرار دے۔ آمین!

مذہب اہل بیتؑ

قسط:22

از: آیت اللہ محمد محمدی ری شہری

ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی

اس باب میں دو فصلیں ہیں:

۱۔ اہل بیتؑ کے نزدیک دین کا مفہوم ۲۔ شیعوں کی صفات

پہلی فصل: اہل بیتؑ کے نزدیک دین کا مفہوم:

[1] اَبُو الْجَارُوْدِ: قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ (ع) یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ! هَلْ تَعْرِفُ مَوَدَّتِیْ لَكُمْ وَ انْقِطَاعِیْ اِلَیْكُمْ وَ مُوَالَاتِیْ اِیَّاكُمْ؟ فَقَالَ نَعَمْ. قَالَ: فَقُلْتُ: فَاِنِّیْ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةً تُجِیْبُنِیْ فِیْهَا. فَاِنِّیْ مَكْفُوْفُ الْبَصَرِ قَلِیْلُ الْمَشْیِ وَ لَا اَسْتَطِیْعُ زِیَارَتَكُمْ كُلَّ حِیْنٍ. قَالَ: هَاتِ حَاجَتَكَ. قُلْتُ: اَخْبِرْنِیْ بِدِیْنِكَ الَّذِیْ تَدِیْنُ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ بِهٖ اَنْتَ وَ اَهْلُ بَیْتِكَ لِاَدِیْنَ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ بِهٖ. قَالَ: اِنْ كُنْتَ اَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ فَقَدْ اَعْظَمْتَ الْمَسْئَلَةَ وَ اللهِ! لَاُعْطِیَنَّكَ دِیْنِیْ وَ دِیْنَ اٰبَآئِیَ الَّذِیْ نَدِیْنُ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ بِهٖ: شَهَادَةَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ (ص) وَ الْاِقْرَارَ بِمَا جَآءَ بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَ الْوَلَایَةَ لِوَلِیِّنَا وَ الْبَرَآءَةَ مِنْ عَدُوِّنَا وَ التَّسْلِیْمَ لِاَمْرِنَا وَ انْتِظَارَ قَآئِمِنَا وَ الِاجْتِهَادَ وَ الْوَرَعَ۔

ابوالجارود کا بیان ہے: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: فرزند رسولؐ! آپؑ کو تو معلوم ہے کہ میں آپؑ کا چاہنے والا، صرف آپؑ سے وابستہ آپ کا غلام ہوں؟ فرمایا: بیشک۔ میں نے عرض کیا کہ: مجھے ایک سوال کرنا ہے، امید ہے کہ آپؑ جواب عنایت فرمادیں گے، اس لئے کہ میں نابینا ہوں، بہت کم چل سکتا ہوں اور بار بار آپؑ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتا ہوں۔ فرمایا بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟

میں نے عرض کی: آپؑ اس دین سے باخبر کریں جس سے آپؑ اور آپؑ کے گھر والے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں تا کہ ہم بھی اس کو اختیار کر سکیں۔ فرمایا کہ: تم نے سوال بہت مختصر کیا ہے مگر بڑا عظیم سوال کیا ہے۔ خیر میں تمہیں اپنے اور اپنے گھر والوں کے مکمل دین سے آگاہ کئے دیتا ہوں۔ دیکھو! یہ دین ہے توحید الٰہی، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، ان کے لائے ہوئے تمام احکام کا اقرار، ہمارے چاہنے والوں سے محبت، ہمارے دشمنوں سے عداوت، ہمارے امر کے سامنے سراپا تسلیم ہوجانا، ہمارے قائم (امام مہدی علیہ السلام) کا انتظار کرنا اور جہد مسلسل کے ساتھ تقوائے الٰہی اختیار کرنا۔[1]

[2] اَبُوْ بَصِيْرٍ: كُنْتُ عِنْدَ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ سَلَامٌ: اِنَّ خَيْثَمَةَ بْنَ اَبِيْ خَيْثَمَةَ يُحَدِّثُنَا عَنْكَ: اِنَّهٗ سَئَلَكَ عَنِ الْاِسْلَامِ. فَقُلْتَ لَهٗ: اِنَّ الْاِسْلَامَ مَنِ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ شَهِدَ شَهَادَتَنَا وَ نَسَكَ نُسُكَنَا وَ وَالٰى وَلِيَّنَا وَ عَادٰى عَدُوَّنَا فَهُوَ مُسْلِمٌ. فَقَالَ: صَدَقَ خَيْثَمَةُ. قُلْتُ: وَ سَئَلَكَ عَنِ الْاِيْمَانِ. فَقُلْتَ: اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَ التَّصْدِيْقُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّا يُعْصَى اللّٰهَ. فَقَالَ: صَدَقَ خَيْثَمَةُ۔

ابوبصیر بیان کرتے ہیں: میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپؑ سے سلام نے عرض کیا: (مولا!) خیثمہ بن ابی خیثمہ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے آپؑ سے اسلام کے بارے میں دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: ''جس نے بھی ہمارے قبلہ کا رخ کیا، ہماری گواہی کے مطابق گواہی دی، ہماری عبادتوں جیسی عبادت کی، ہمارے دوستوں سے محبت کی، ہمارے دشمنوں سے دشمنی رکھی، وہ مسلمان ہے''۔ فرمایا: خیثمہ نے بالکل صحیح بیان کیا ہے۔۔۔ میں نے عرض کی: اور خیثمہ نے ایمان کے بارے میں آپؑ سے دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: ''خدا پر ایمان، اس کی کتاب کی تصدیق اور اللہ کی نافرمانی سے بچنا ہی ایمان ہے''۔ فرمایا: بیشک خیثمہ نے سچ بیان کیا ہے۔[2]

[3] عَلِيُّ بْنُ حَمْزَةَ عَنْ اَبِيْ بَصِيْرٍ: سَمِعْتُهٗ يَسْئَلُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! اَخْبِرْنِيْ عَنِ الدِّيْنِ الَّذِيْ افْتَرَضَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ. مَا لَا يَسَعُهُمْ جَهْلُهٗ وَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ غَيْرُهٗ مَا هُوَ؟ فَقَالَ: اَعِدْ عَلَيَّ. فَاَعَادَ عَلَيْهِ. فَقَالَ: شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ

[1] الکافی، ج ۲، ص ۲۱، حدیث ۱۰۔

[2] الکافی، ج ۲، ص ۳۸، حدیث ۵۔

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ و اِيْتَآءُ الزَّكٰوةِ وَ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَّ صَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ. ثُمَّ سَكَتَ قَلِيْلًا. ثُمَّ قَالَ: وَ الْوَلَايَةُ. مَرَّتَيْنِ۔

علی بن حمزہ روایت کرتے ہیں: میں نے ابوبصیر کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کرتے سنا کہ: حضورؑ! میں آپؑ پر قربان! یہ تو فرمائیں کہ وہ دین کیا ہے جسے پروردگار نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اور اس سے ناواقفیت کو معاف نہیں کیا ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دین قبول کیا ہے؟ فرمایا: دوبارہ سوال کرو۔۔۔ ابوبصیر نے دوبارہ سوال کو دہرایا تو فرمایا: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت، نماز کا قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی، استطاعت پر حج بیت اللہ کی بجا آوری، ماہ رمضان کے روزے۔ یہ کہہ کر آپؑ کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئے اور پھر دو مرتبہ فرمایا: ''ولایت، ولایت''۔[1]

[4] عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ: دَخَلْتُ عَلٰى اَبِىْ عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ هُوَ فِىْ مَنْزِلِ اَخِيْهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدٍ. فَقُلْتُ لَهٗ : جُعِلْتُ فِدَاكَ. مَا حَوَّلَكَ اِلٰى هٰذَا الْمَنْزِلِ؟ قَالَ: طَلَبُ النُّزْهَةِ. فَقُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! اَلَا اَقُصُّ عَلَيْكَ دِيْنِىْ؟ فَقَالَ: بَلٰى. قُلْتُ : اَدِيْنُ اللهَ بِشَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَ اَنَّ اللهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ. وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَ صَوْمِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَ حَجِّ الْبَيْتِ وَ الْوَلَايَةِ لِعَلِيِّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ الْوَلَايَةِ لِلْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ وَ الْوَلَايَةِ لِعَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ وَ الْوَلَايَةِ لِمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَ لَكَ مِنْ بَعْدِهٖ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَ اَنْكُمْ اَئِمَّتِىْ. عَلَيْهِ اَحْيٰى وَ عَلَيْهِ اَمُوْتُ وَ اَدِيْنُ اللهَ بِهٖ. فَقَالَ: يَا عَمْرُو! هٰذَا وَاللهِ! دِيْنُ اللهِ وَ دِيْنُ اٰبَآئِىَ الَّذِىْ اَدِيْنُ اللهَ بِهٖ فِى السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ۔

عمرو بن حریث کا بیان ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپؑ اپنے بھائی عبداللہ بن محمدؑ کے گھر پر تھے۔ میں نے عرض کیا کہ: میں آپؑ پر قربان! یہاں کیوں تشریف لے آئے؟ فرمایا: ذرا لوگوں سے دور سکون کے ساتھ رہنے کیلئے۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! کیا میں اپنا دین آپؑ سے بیان کر سکتا ہوں۔ فرمایا: بیان کرو۔ میں نے کہا کہ: میرا دین یہ ہے کہ میں لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کسی شک

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۲۲، حدیث ۱۱۔

کی گنجائش نہیں ہے، اور پروردگار سب کو قبروں سے نکالے گا، اور یہ کہ نماز کا قیام، زکوۃ کی ادائیگی، ماہ رمضان کے روزے، حج بیت اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی ولایت، ان کے بعد امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، امام علی زین العابدین علیہ السلام، امام محمد باقر علیہ السلام اور پھر آپؑ کی ولایت ضروری اور واجب ہے، آپؑ حضرات ہی ہمارے امام ہیں، اسی عقیدہ پر جینا ہے اور اسی پر مرنا ہے اور اسی کو لے کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ فرمایا: خدا کی قسم! یہی میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے جسے ہم علی الاعلان اور پوشیدہ ہر منزل پر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔[1]

[5] مُعاذُ بنُ مُسلِمٍ: اَدْخَلْتُ عُمَرَ اَخِیْ عَلٰی اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ لَهٗ: هٰذَا عُمَرُ اَخِیْ. وَ هُوَ یُرِیْدُ اَنْ یَّسْمَعَ مِنْكَ شَیْئًا. فَقَالَ لَهٗ: سَلْ عَمَّا شِئْتَ. فَقَالَ: اَسْئَلُكَ عَنِ الَّذِیْ لَا یَقْبَلُ اللهُ مِنَ الْعِبَادِ غَیْرَهٗ وَ لَا یَعْذِرُهُم عَلٰی جَهْلِهٖ. فَقَالَ: شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَ صِیَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ وَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ حَجُّ الْبَیْتِ وَ الْاِقْرَارُ بِمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللهِ جُمْلَةً وَ الْاِئْتِمَامُ بِاَئِمَّةِ الْحَقِّ مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ. فَقَالَ عُمَرُ: سَمِّهِمْ لِیْ اَصْلَحَكَ اللهُ. فَقَالَ: عَلِیٌّ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ. وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ. وَ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ. وَ الْخَیْرُ یُعْطِیْهِ اللهُ مَنْ یَّشَآءُ. فَقَالَ لَهٗ: فَاَنْتَ جُعِلْتُ فِدَاكَ؟ قَالَ: هٰذَا الْاَمْرُ یَجْرِیْ لِاٰخِرِنَا كَمَا یَجْرِیْ لِاَوَّلِنَا۔

معاذ بن مسلم کہتے ہیں: میں اپنے بھائی عمر کو لے کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی کہ: یہ میرا بھائی عمر ہے، یہ آپؑ کی زبان مبارک سے کچھ سننا چاہتا ہے۔ فرمایا: دریافت کرو کیا دریافت کرنا ہے۔ عمر نے عرض کی: وہ دین بتا دیجئے جس کے علاوہ کچھ قابل قبول نہ ہو اور جس سے ناواقفیت میں انسان معذور نہ ہو۔ فرمایا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی، پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، غسل جنابت، حج بیت اللہ، جملہ احکام الٰہی کا اقرار اور آئمہ آل محمد علیہم السلام کی امامت کا اقرار۔ یہ سن کر عمر نے کہا کہ: حضورؑ! ان سب کے نام بھی بتا دیجئے؟ فرمایا: امیر المومنین علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، امام علی زین العابدین، امام محمد باقر علیہ السلام۔ اور یہ خیر خدا جسے چاہتا ہے عطا

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۲۳، حدیث ۱۴۔

کر دیتا ہے۔ عمر نے عرض کی کہ: آپؑ کا مقام کیا ہے؟ فرمایا کہ: یہ امر امامت ہمارے اوّل و آخر سب کیلئے جاری و ساری ہے۔[1]

[6] رُوِیَ اَنَّ الْمَأْمُوْنَ بَعَثَ الْفَضْلَ بْنَ سَهْلٍ ذَا الرِّيَاسَتَيْنِ اِلَى الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ: اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ تَجْمَعَ لِیْ مِنَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ وَ الْفَرَآئِضِ وَ السُّنَنِ. فَاِنَّكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَ مَعْدِنُ الْعِلْمِ. فَدَعَا الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِدَوَاةٍ وَّ قِرْطَاسٍ وَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْفَضْلِ: اُكْتُبْ: حَسْبُنَا شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اَحَدًا صَمَدًا. لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا. قَيُّوْمًا. سَمِيْعًا بَصِيْرًا. قَوِيًّا قَآئِمًا. بَاقِيًا نُوْرًا. عَالِمًا لَّا يَجْهَلُ. قَادِرًا لَّا يَعْجَزُ. غَنِيًّا لَّا يَحْتَاجُ. عَدْلًا لَّا يَجُوْرُ. خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ. لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ. لَّا شِبْهَ لَهٗ وَ لَا ضِدَّ وَ لَا نِدَّ وَ لَا كُفْوَ. وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَمِيْنُهٗ وَ صَفْوَتُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ. سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. وَ اَفْضَلُ الْعٰلَمِيْنَ. لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ. وَ لَا تَبْدِيْلَ لِمِلَّتِهٖ وَ لَا تَغْيِيْرَ. وَ اَنَّ جَمِيْعَ مَا جَآءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ اَنَّهٗ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ. نُصَدِّقُ بِهٖ و بِجَمِيْعِ مَنْ مَّضٰى قَبْلَهٗ مِنْ رُسُلِ اللّٰهِ وَ اَنْبِيَآئِهٖ وَ حُجَجِهٖ. وَ نُصَدِّقُ بِكِتَابِهِ الصَّادِقِ. ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۝﴾[2] وَ اَنَّهٗ كِتَابُهُ الْمُهَيْمِنُ عَلَى الْكُتُبِ كُلِّهَا. وَ اَنَّهٗ حَقٌّ مِّنْ فَاتِحَتِهٖ اِلٰى خَاتِمَتِهٖ. نُؤْمِنُ بِمُحْكَمِهٖ وَ مُتَشَابِهِهٖ. وَ خَاصِّهٖ وَ عَامِّهٖ. وَ وَعْدِهٖ وَ وَعِيْدِهٖ. وَ نَاسِخِهٖ وَ مَنْسُوْخِهٖ وَ اَخْبَارِهٖ. لَا يَقْدِرُ وَاحِدٌ مِّنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ اَنْ يَّاْتِیَ بِمِثْلِهٖ. وَ اَنَّ الدَّلِيْلَ وَالْحُجَّةَ مِنْۢ بَعْدِهٖ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْقَآئِمَ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ. وَالنَّاطِقَ عَنِ الْقُرْاٰنِ وَالْعَالِمَ بِاَحْكَامِهٖ. اَخُوْهُ وَخَلِيْفَتُهٗ وَ وَصِيُّهٗ وَالَّذِیْ كَانَ مِنْهُ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى: عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ. اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَاِمَامُ الْمُتَّقِيْنَ. وَ قَآئِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ. يَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَ اَفْضَلُ الْوَصِيِّيْنَ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ. وَ بَعْدَهُ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ اِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا. عِتْرَةُ الرَّسُوْلِ. وَ اَعْلَمُهُمْ بِالْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ. وَ اَعْدَلُهُمْ بِالْقَضِيَّةِ. وَ اَوْلَاهُم بِالْاِمَامَةِ فِیْ كُلِّ عَصرٍ وَّ زَمَانٍ. وَ اَنَّهُمُ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى. وَ اَئِمَّةُ

---

[1] المحاسن، ج۱، ص۴۵۰، حدیث ۱۰۳۷۔ شرح الاخبار، ج۱، ص۲۲۴، حدیث ۲۰۹۔ واضح رہے کہ شرح الاخبار کی روایت میں ''غسل جنابت'' کے بجائے ''طہارت'' کا ذکر ہے۔

[2] سورۂ حم سجدہ، آیت ۴۲۔

الْهُدٰى. وَ الْحُجَّةُ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا. حَتّٰى يَرِثَ اللّٰهُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ هُوَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ. وَ اَنَّ كُلَّ مَنْ خَالَفَهُمْ ضَالٌّ مُضِلٌّ. تَارِكٌ لِلْحَقِّ وَ الْهُدٰى. وَ اَنَّهُمُ الْمُعَبِّرُوْنَ عَنِ الْقُرْاٰنِ. النَّاطِقُوْنَ عَنِ الرَّسُوْلِ بِالْبَيَانِ. مَنْ مَّاتَ لَا يَعرِفُهُمْ وَ لَا يَتَوَلَّاهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ وَ اَسْمَآءِ اٰبَآئِهِمْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ مامون نے فضل بن سہل ذوالریاستین کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا اور اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپؑ حلال وحرام، فرائض وسنن سب کو ایک مقام پر جامع طور پر پیش کر دیں کہ آپ مخلوقات پر پروردگار کی حجت اور علم کا معدن ہیں۔ آپؑ نے قلم وکاغذ طلب فرمایا اور فضل سے فرمایا کہ: لکھو! ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ ہم اس بات کی شہادت دیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ احد ہے، صمد ہے، اس کی کوئی زوجہ یا اولاد نہیں ہے، وہ قیوم ہے، سمیع وبصیر ہے، قوی وقائم ہے، باقی اور نور ہے، ہر شے کو جاننے والا اور ہر شے پر قادر ہے۔ ایسا غنی ہے جو محتاج نہیں ہوتا اور ایسا عادل ہے جو ظلم نہیں کرتا، ہر شے کا خالق ہے، اس کی کوئی مثل نہیں ہے، اس کی شبیہ ونظیر اور ضد یا مثل نہیں ہے اور اس کا کوئی ہمسر بھی نہیں ہے۔ پھر ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے، رسول، امین، منتخب روزگار، سیّد المرسلین، خاتم النبیین اور افضل العالمین ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، ان کے نظام شریعت میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے، وہ جو کچھ خدا کی طرف سے لے کر آئے ہیں سب برحق ہے، ہم سب کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے پہلے تمام انبیاء ومرسلین اور اللہ کی حجتوں کی تصدیق کرتے ہیں، اس کی کتاب صادق کی بھی تصدیق کرتے ہیں جس میں باطل کا گزر نہ سامنے سے ہے اور نہ پیچھے سے، وہ خدائے حکیم وحمید کی تنزیل ہے۔ یہ کتاب تمام کتابوں کی محافظ اور اوّل سے آخر تک حق ہے، ہم اس کے محکم ومتشابہ، خاص وعام، وعد ووعید، ناسخ ومنسوخ اور اخبار سب پر ایمان رکھتے ہیں اور پختہ یقین رکھتے ہیں کہ کوئی شخص بھی اس کا مثل ونظیر نہیں لاسکتا ہے۔ پھر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دلیل اور حجت خدا، امور مسلمین کے ذمہ دار، قرآن کے ترجمان، احکام الٰہیہ کے عالم ان کے بھائی، خلیفہ، وصی، صاحب منزلت ہارون حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تمام مومنوں کے امیر، تمام متقین کے امام، درخشان پیشانیوں کے سردار، یعسوب المومنین

اور سیّد الوصیین ہیں اور ان کے بعد امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام ہیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ سب عترت رسولؐ اور اعلم بالکتاب والسنۃ ہیں۔ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے اور ہر زمانہ میں امامت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ یہی عروۃ الوثقیٰ ہیں اور یہی آئمہ ہدیٰ ہیں اور یہی اہل دنیا پر حجت پروردگار ہیں، یہاں تک کہ زمین اور اہل زمین کی وراثت خدا تک پہنچ جائے کہ وہی کائنات کا وارث و مالک ہے اور جس نے بھی ان حضراتؑ سے اختلاف کیا وہ خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، وہ حق کو چھوڑنے والا اور ہدایت سے الگ ہوجانے والا ہے، یہی قرآن کی تعبیر کرنے والے اور اس کے ترجمان ہیں۔ جو ان کی معرفت کے بغیر اور نام بنام ان کی محبت کے بغیر مرجائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔[1]

[7] عَبْدُ الْعَظِيْمِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَسَنِيُّ: دَخَلْتُ عَلٰى سَيِّدِيْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ ابْنِ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ. فَلَمَّا بَصُرَنِيْ قَالَ لِيْ: مَرْحَبًا بِكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ! اَنْتَ وَلِيُّنَا حَقًّا. فَقُلْتُ لَهٗ: يَا بْنَ رَسُوْلِ اللهِ! اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُعْرِضَ عَلَيْكَ دِيْنِيْ. فَاِنْ كَانَ مَرْضِيًّا ثَبَتُّ عَلَيْهِ حَتّٰى اَلْقَى اللهَ عَزَّوَجَلَّ. فَقَالَ: هَاتِ يَا اَبَا الْقَاسِمِ! فَقُلْتُ: اِنِّيْ اَقُوْلُ: اِنَّ اللهَ تَعَالٰى وَاحِدٌ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ. خَارِجٌ مِنَ الْحَدَّيْنِ: حَدِّ الْاِبْطَالِ وَ حَدِّ التَّشْبِيْهِ. وَ اِنَّهٗ لَيْسَ بِجِسْمٍ وَّ لَا صُوْرَةٍ وَّ لَا عَرَضٍ وَّ لَا جَوْهَرٍ. بَلْ هُوَ مُجَسِّمُ الْاَجْسَامِ وَ مُصَوِّرُ الصُّوَرِ. وَ خَالِقُ الْاَعْرَاضِ وَ الْجَوَاهِرِ. وَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَّ مَالِكُهٗ وَ جَاعِلُهٗ وَ مُحْدِثُهٗ. وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. فَلَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. وَ اَنَّ شَرِيْعَتَهٗ خَاتِمَةُ الشَّرَآئِعِ فَلَا شَرِيْعَةَ بَعْدَهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. وَ اَقُوْلُ: اِنَّ الْاِمَامَ وَ الْخَلِيْفَةَ وَ وَلِيَّ الْاَمْرِ بَعْدَهٗ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ. ثُمَّ الْحَسَنُ ثُمَّ الْحُسَيْنُ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ثُمَّ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ مُوْسَى بْنُ جَعْفَرٍ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ مُوْسٰى ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ثُمَّ اَنْتَ يَا مَوْلَايَ. فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَ مِنْ بَعْدِيَ الْحَسَنُ ابْنِيْ. فَكَيْفَ لِلنَّاسِ بِالْخَلَفِ مِنْ بَعْدِهٖ؟ فَقُلْتُ: وَ كَيْفَ ذَاكَ يَا مَوْلَايَ؟ قَالَ: لِاَنَّهٗ لَا يُرٰى شَخْصُهٗ وَ لَا يَحِلُّ ذِكْرُهٗ بِاسْمِهٖ حَتّٰى يَخْرُجَ فَيَمْلَاَ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّ

---

[1] تحف العقول، ص ۴۱۵۔

جَوْرًا. فَقُلْتُ: اَقْرَرْتُ. وَ اَقُوْلُ: اِنَّ وَلِيَّهُمْ وَلِيُّ اللهِ. وَ عَدُوَّهُمْ عَدُوُّ اللهِ. وَ طَاعَتَهُمْ طَاعَةُ اللهِ. وَ مَعْصِيَتَهُمْ مَعْصِيَةُ اللهِ. وَ اَقُوْلُ: اِنَّ الْمِعْرَاجَ حَقٌّ. وَ الْمَسْئَلَةَ فِي الْقَبْرِ حَقٌّ. وَ اِنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ. وَ النَّارَ حَقٌّ. وَ الصِّرَاطَ حَقٌّ. وَ الْمِيْزَانَ حَقٌّ. وَ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا. وَ اِنَّ اللهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ. وَ اَقُوْلُ: اِنَّ الْفَرَآئِضَ الْوَاجِبَةَ بَعْدَ الْوَلَايَةِ: الصَّلٰوةُ وَ الزَّكٰوةُ وَ الصَّوْمُ وَ الْحَجُّ وَ الْجِهَادُ وَ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ. فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ (ع): يَا اَبَا الْقَاسِمِ! هٰذَا وَ اللهِ! دِيْنُ اللهِ الَّذِي ارْتَضَاهُ لِعِبَادِهٖ. فَاثْبُتْ عَلَيْهِ اَثْبَتَكَ اللهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ۔

حضرت شاہ عبدالعظیم بن عبداللہ الحسنی کا بیان ہے کہ: میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھے دیکھ کر مرحبا کہا اور فرمایا کہ: تم ہمارے حقیقی دوست ہو۔ میں نے عرض کی کہ: حضورؑ! میں آپؑ کے سامنے اپنا پورا دین پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر صحیح ہے تو میں اسی پر قائم رہوں؟ آپؑ نے فرمایا ضرور۔ میں نے عرض کی کہ: میں اس بات کا قائل ہوں کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی مثل نہیں ہے، وہ ابطال اور تشبیہ دونوں حدود سے باہر ہے، نہ جسم ہے نہ صورت، نہ عرض ہے نہ جوہر، تمام اجسام کو جسمیت دینے والا اور تمام صورتوں کا صورت گر ہے، عرض و جوہر دونوں کا خالق، ہر شے کا پروردگار، مالک، بنانے والا اور ایجاد کرنے والا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے، رسول اور خاتم النبیین ہیں، ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور ان کی شریعت بھی آخری شریعت ہے جس کے بعد کوئی شریعت نہیں ہے اور آپؐ کے بعد امام و خلیفہ و ولی امر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔ ان کے بعد امام حسن علیہ السلام، پھر امام حسین علیہ السلام، پھر امام علی زین العابدین، پھر امام محمد باقر علیہ السلام، پھر امام جعفر صادق علیہ السلام، پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، پھر امام علی رضا علیہ السلام، پھر امام محمد تقی علیہ السلام اور پھر آپؑ۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ: میرے بعد میرے فرزند امام حسن عسکری اور اس کے بعد ان کے نائب کے بارے میں لوگوں کا کیا حال ہوگا؟! میں نے عرض کی کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ نظر نہ آئیں گے اور ان کا نام لینا بھی جائز نہ ہوگا، یہاں تک کہ منظر عام پر آجائے۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ میں نے عرض کی: حضورؑ! میں نے اس کا بھی اقرار کرلیا

اوراب یہ بھی کہتا ہوں کہ جوان کا دوست ہے وہی میرا دوست ہے اور جوان کا دشمن ہے وہی میرا بھی دشمن ہے، ان کی اطاعت، اطاعت خدا اور ان کی معصیت، معصیت خدا ہے اور میرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ معراج برحق ہے اور قبر کا سوال بھی برحق ہے اور جنت وجہنم بھی برحق ہیں اور صراط ومیزان بھی برحق ہے اور قیامت بھی یقیناً آنے والی ہے اور خدا سب کو قبروں سے ضرور نکالے گا اور میرا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ولایت اہلبیتؑ کے بعد فرائض میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر سب شامل ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے ابوالقاسم! خدا کی قسم! یہی وہ دین ہے جسے خدا نے اپنے بندوں کیلئے پسند فرمایا ہے اور تم اس پر قائم رہو، پروردگار تمہیں دنیا وآخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔[1]

دوسری فصل: شیعوں کی صفات:

[1] اَلْاِمَامُ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ: اِنَّمَا شِیْعَةُ عَلِیٍّ (ع) الْمُتَبَاذِلُوْنَ فِیْ وَلَایَتِنَا الْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ مَوَدَّتِنَا الْمُتَزَاوِرُوْنَ لِاِحْیَآءِ اَمْرِنَا. اِنْ غَضِبُوا لَمْ یَظْلِمُوْا وَاِنْ رَضُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا. بَرَکَةٌ لِّمَنْ جَاوَرُوْا وَ سِلْمٌ لِّمَنْ خَالَطُوْا۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہمارے شیعہ وہ ہیں جو ہماری محبت میں ایک دوسرے پر خرچ کرنے والے، ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور ہمارے دین کو زندہ رکھنے کیلئے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی شان یہ ہے کہ غصہ آجائے تو کسی پر ظلم نہیں کرتے ہیں اور خوش حال ہوتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے ہیں۔ اپنے ہمسایہ کیلئے برکت اور اپنے ساتھیوں کیلئے مجسمہ سلامتی ہوتے ہیں۔[2]

[2] عَنْه عَلَیْهِ السَّلَامُ: شِیْعَتُنَا هُمُ الْعَارِفُوْنَ بِاللّٰهِ، الْعَامِلُوْنَ بِاَمْرِ اللّٰهِ، اَهْلُ الْفَضَآئِلِ، وَ النَّاطِقُوْنَ بِالصَّوَابِ، مَاْکُوْلُهُمُ الْقُوْتُ، وَ مَلْبَسُهُمُ الاِقْتِصَادُ، وَ مَشْیُهُمُ التَّوَاضُعُ...

---

[1] امالی الصدوق، ص ۲۷۸، حدیث ۲۴۔ توحید شیخ صدوق، ص ۸۱، حدیث ۷۔ ۳۔ کمال الدین، ص ۳۷۹۔ روضۃ الواعظین، ص ۳۹۔ کفایۃ الاثر، ص ۲۸۲۔ صفات الشیعۃ، حدیث ۶۸۔

[2] الکافی، ج ۲، ص ۲۳۶، حدیث ۲۴۔ خصال شیخ صدوق، ص ۳۹۷، حدیث ۱۰۴۔ صفات الشیعۃ، حدیث ۲۳۔ تحف العقول، ص ۳۰۰۔ مشکاۃ الانوار، ص ۶۔ المحیص، ص ۶۹ حدیث ۱۶۸۔ شرح الاخبار، ج ۳، ص ۵۰۴، حدیث ۱۴۴۹۔

تَحْسَبُهُمْ مَرْضٰى وَ قَدْ خُوْلِطُوْا وَ مَا هُمْ بِذٰلِكَ. بَلْ خَامَرَهُمْ مِنْ عَظَمَةِ رَبِّهِمْ وَشِدَّةِ سُلْطَانِهِ مَا طَاشَتْ لَهُ قُلُوْبُهُمْ وَ ذَهَلَتْ مِنْهُ عُقُوْلُهُمْ. فَاِذَا اسْتَقَامُوْا مِنْ ذٰلِكَ بَادَرُوْا اِلَى اللّٰهِ بِالْاَعْمَالِ الزَّكِيَّةِ. لَا يَرْضَوْنَ لَهُ بِالْقَلِيْلِ. وَلَا يَسْتَكْثِرُوْنَ الْجَزِيْلَ۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: ہمارے شیعہ اللہ کی معرفت رکھنے والے، اس کے حکم پر عمل کرنے والے، صاحبان فضائل اور سچ بولنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا کھانا بقدر ضرورت، ان کا لباس درمیانہ اور ان کی رفتار متواضع ہوتی ہے۔ دیکھنے میں مریض اور مدہوش نظر آتے ہیں، حالانکہ ایسے ہوتے نہیں ہیں۔ انہیں عظمت پروردگار اور جلال سلطنت الٰہیہ ایسا بنا دیتی کہ دل بے قرار ہو جاتے ہیں اور ہوش و حواس اُڑ جاتے ہیں۔ اس کے بعد جب ہوش آتا ہے تو نیک اعمال کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ مختصر اعمال سے راضی نہیں ہوتے ہیں اور زیادہ اعمال کو کثیر نہیں سمجھتے ہیں۔[1]

[3] نَوْفُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْبِكَالِيُّ: قَالَ لِيْ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا نَوْفُ! خُلِقْنَا مِنْ طِيْنَةٍ طَيِّبَةٍ. وَ خُلِقَ شِيْعَتُنَا مِنْ طِيْنَتِنَا. فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اُلْحِقُوْا بِنَا. فَقُلْتُ: صِفْ لِيْ شِيْعَتَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فَبَكٰى لِذِكْرِيْ شِيْعَتَهُ. ثُمَّ قَالَ: يَا نَوْفُ! شِيْعَتِيْ وَ اللّٰهِ الْحُلَمَآءُ الْعُلَمَآءُ بِاللّٰهِ وَ دِيْنِهِ. اَلْعَامِلُوْنَ بِطَاعَتِهِ وَ اَمْرِهِ. اَلْمُهْتَدُوْنَ بِحُبِّهِ. اَنْضَآءُ عِبَادَةٍ. اَحْلَاسُ زَهَادَةٍ. صُفْرُ الْوُجُوْهِ مِنَ التَّهَجُّدِ. عُمْشُ الْعُيُوْنِ مِنَ الْبُكَآءِ. ذُبُلُ الشِّفَاهِ مِنَ الذِّكْرِ. خُمْصُ الْبُطُوْنِ مِنَ الطَّوٰى. تُعْرَفُ الرَّبَّانِيَّةُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ. وَ الرَّهْبَانِيَّةُ فِيْ سَمْتِهِمْ. مَصَابِيْحُ كُلِّ ظُلْمَةٍ. وَ رَيْحَانُ كُلِّ قَبِيْحٍ. لَا يَثْنُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ سَلَفًا. وَلَا يَقِفُوْنَ لَهُمْ خَلَفًا. شُرُوْرُهُمْ مَكْنُوْنَةٌ. وَ قُلُوْبُهُمْ مَخْزُوْنَةٌ. وَ اَنْفُسُهُمْ عَفِيْفَةٌ. وَ حَوَآئِجُهُمْ خَفِيْفَةٌ. اَنْفُسُهُمْ مِنْهُمْ فِيْ عَنَآءٍ. وَ النَّاسُ مِنْهُمْ فِيْ رَاحَةٍ. فَهُمُ الْكَاسَةُ الْاَلِبَّآءُ. وَ الْخَالِصَةُ النُّجَبَآءُ. وَ هُمُ الرَّوَّاغُوْنَ فِرَارًا بِدِيْنِهِمْ. اِنْ شَهِدُوْا لَمْ يُعْرَفُوْا. وَ اِنْ غَابُوْا لَمْ يُفْتَقَدُوْا. اُولٰٓئِكَ شِيْعَتِيَ الْاَطْيَبُوْنَ. وَ اِخْوَانِيَ الْاَكْرَمُوْنَ. اَلَا هَاهِ شَوْقًا اِلَيْهِمْ!۔

نوف بن عبداللہ البکالی کا بیان ہے: حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے مجھ سے ایک دن فرمایا: نوف! ہم پاکیزہ طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور ہمارے شیعہ ہماری طینت سے خلق ہوئے ہیں، لہٰذا

---

[1] مطالب السؤول، ص ۵۴۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو انہیں بھی ہمارے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ میں نے عرض کی: حضورؑ! ذرا اپنے شیعوں کے اوصاف تو بیان فرمائیں؟ تو حضرتؑ رونے لگے اور پھر فرمایا: نوف! ہمارے شیعہ صاحبان عقل، خدا اور دین خدا کے عارف، اطاعت و امر الٰہی کے عامل، محبت الٰہی سے ہدایت یافتہ، عبادت گزار، زاہد مزاج، شب بیداری سے زرد چہرہ، گریہ سے دھنسی ہوئی آنکھوں کے حامل ہوتے ہیں، ذکر خدا سے ان کے ہونٹ خشک، فاقوں سے ان کے پیٹ دھنسے ہوئے اور خدا شناسی ان کے چہروں سے عیاں اور خوف خدا ان کی صورت سے نمایاں ہوتا ہے۔ یہ تاریکیوں کے چراغ اور بدترین ماحول کیلئے گل وگلزار ہوتے ہیں۔ ان کی کمزوریاں پوشیدہ، ان کے دل رنجیدہ، ان کے نفس عفیف اور ان کے ضروریات خفیف ہوتی ہیں۔ ان کا اپنا نفس ہمیشہ ان سے رنج وتعب میں ہوتا جبکہ لوگ ان کی طرف سے ہمیشہ راحت وآرام میں ہوتے ہیں۔ یہ صاحبان عقل وخرد، شریف، اپنے دین کو بچا کر نکل جانے والے ہوتے ہیں۔ محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں تو کوئی انہیں پہچانتا نہیں ہے اور غائب ہو جاتے ہیں تو کوئی تلاش نہیں کرتا ہے۔ یہ ہمارے پاکباز شیعہ اور ہمارے محترم برادر ہیں، ہائے میں ان کا کس قدر مشتاق ہوں۔[1]

[4] مُحَمَّدُ بنُ الحَنَفِيَّةِ: لَمَّا قَدِمَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ع) الْبَصْرَةَ بَعْدَ قِتَالِ اَهْلِ الْجَمَلِ دَعَاهُ الْاَحْنَفُ بْنُ قَيْسٍ وَ اتَّخَذَ لَهُ طَعَامًا فَبَعَثَ اِلَيْهِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ وَ اِلَى اَصْحَابِهِ فَاَقْبَلَ. ثُمَّ قَالَ: يَا اَحْنَفُ! ادْعُ لِيْ اَصْحَابِيْ فَدَخَلَ عَلَيْهِ قَوْمٌ مُتَخَشِّعُوْنَ كَاَنَّهُمْ شِنَانٌ بَوَالِيْ. فَقَالَ الْاَحْنَفُ بْنُ قَيْسٍ: يَآ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَا هٰذَا الَّذِيْ نَزَلَ بِهِمْ؟ اَ مِنْ قِلَّةِ الطَّعَامِ اَوْ مِنْ هَوْلِ الْحَرْبِ؟ فَقَالَ(ع): لَا. يَآ اَحْنَفُ! اِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ اَحَبَّ اَقْوَامًا تَنَسَّكُوْا لَهُ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا تَنَسُّكَ مَنْ هَجَمَ عَلَى مَا عَلِمَ مِنْ قُرْبِهِمْ مِنْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُشَاهِدُوْهَا فَحَمَلُوْا اَنْفُسَهُمْ عَلَى مَجْهُوْدِهَا۔

محمد حنفیہ بیان کرتے ہیں: حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام جنگ جمل کے بعد بصرہ واپس آئے تو احنف بن قیس نے آپؑ کو دعوت پر بلایا اور کھانا تیار کیا اور اصحاب کو بھی مدعو کیا۔ آپؑ تشریف لے آئے تو فرمایا: احنف! میرے اصحاب کو بلاؤ؟ احنف نے دیکھا کہ آپؑ کے ساتھ ایک جماعت ہے جو پرانے

---

[1] امالی شیخ طوسی، ص ۵۷۶ حدیث ۱۱۸۹۔

مشکیزوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ احنف نے عرض کی: حضورؑ! انہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہیں کھانا نہیں ملا ہے یا جنگ کے خوف نے ان کو ایسا بنا دیا ہے؟۔ فرمایا: احنف! ایسا کچھ نہیں ہے۔ اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو دار دنیا میں اس طرح عبادت کرتے ہیں جیسے انہوں نے روز قیامت کے ہول کو دیکھ لیا ہے اور اپنے نفس کو اس کی زحمتوں پر آمادہ کر لیا ہے۔[1]

[5] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِمْتَحِنُوْا شِيْعَتَنَا عِنْدَ ثَلَاثٍ: عِنْدَ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ كَيْفَ مُحَافَظَتُهُمْ عَلَيْهَا، وَ عِنْدَ اَسْرَارِهِمْ كَيْفَ حِفْظُهُمْ لَهَا عَنْ عَدُوِّنَا، وَ اِلٰى اَمْوَالِهِمْ كَيْفَ مُوَاسَاتُهُمْ لِاِخْوَانِهِمْ فِيْهَا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعوں کو تین طرح آزماؤ: نماز کی اوقات پر کہ اس کی کتنی پابندی کرتے ہیں، ہمارے اسرار کو دشمنوں سے کس طرح محفوظ رکھتے ہیں اور اپنے اموال میں دوسرے بھائیوں کی کس قدر مدد کرتے ہیں۔[2]

[6] عنه عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّمَا شِيْعَةُ جَعْفَرٍ مَنْ عَفَّ بَطْنُهٗ وَ فَرْجُهٗ وَ اشْتَدَّ جِهَادُهٗ وَ عَمِلَ لِخَالِقِهٖ وَ رَجَا ثَوَابَهٗ وَ خَافَ عِقَابَهٗ. فَاِذَا رَاَيْتَ اُولٰٓئِكَ فَاُولٰٓئِكَ شِيْعَةُ جَعْفَرٍ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: یاد رکھو کہ جعفرؑ بن محمدؑ کے شیعہ بس وہ ہیں جن کا شکم اور جنسی جذبہ عفیف ہو، محنت زیادہ کرتے ہوں، پروردگار کیلئے عمل کرتے ہوں اور اس کے ثواب کے امیدوار ہوں اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہوں۔ اگر ایسے افراد نظر آ جائیں تو سمجھ لینا کہ یہی ہمارے شیعہ ہیں۔[3]

[7] عنه عَلَيْهِ السَّلَامُ: سُئِلَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ (ع) عَنْ شِيْعَتِهِمْ. فَقَالَ: شِيْعَتُنَا مَنْ قَدَّمَ مَا اسْتَحْسَنَ وَ اَمْسَكَ مَا اسْتَقْبَحَ وَ اَظْهَرَ الْجَمِيْلَ وَ سَارَعَ بِالْاَمْرِ الْجَلِيْلِ رَغْبَةً اِلٰى رَحْمَةِ الْجَلِيْلِ. فَذَاكَ مِنَّا وَ اِلَيْنَا وَ مَعَنَا حَيْثُ مَا كُنَّا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ہمارے شیعہ وہ ہیں جو اچھے کام کرتے ہوں، برے کاموں سے رک جاتے ہوں، ان کی نیکیاں ظاہر ہوں، مالک کی رحمت کے حصول کیلئے عمل خیر کی طرف

---

[1] صفات الشیعۃ، حدیث ۶۳۔

[2] الخصال، ص ۳۰۱، حدیث ۶۲۔ روضۃ الواعظین، ص ۳۲۱۔ مشکاۃ الانوار، ص ۷۸۔ قرب الاسناد، ص ۷۸، حدیث ۲۵۳۔

[3] صفات الشیعۃ، حدیث ۲۱۔ الکافی، ج ۲، ص ۲۳۳ حدیث ۹۔ خصال شیخ صدوق، ص ۲۹۶ حدیث ۶۳۔

سبقت کرتے ہوں۔ یہی لوگ ہیں جو ہم سے ہیں، ان کی بازگشت ہمارے طرف ہے اور ان کی جگہ ہماری منزل ہے ہم جہاں بھی رہیں۔[1]

[8] عنه عَلَيْهِ السَّلَامُ: شِيْعَتُنَا اَهْلُ الْوَرَعِ وَ الِاجْتِهَادِ وَ اَهْلُ الْوَفَآءِ وَ الْاَمَانَةِ وَ اَهْلُ الزُّهْدِ وَ الْعِبَادَةِ اَصْحَابُ اِحْدٰى وَ خَمْسِيْنَ رَكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ الْقَآئِمُوْنَ بِاللَّيْلِ الصَّائِمُوْنَ بِالنَّهَارِ يُزَكُّوْنَ اَمْوَالَهُمْ وَ يَحُجُّوْنَ الْبَيْتَ وَ يَجْتَنِبُوْنَ كُلَّ مُحَرَّمٍ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعہ صاحبان تقویٰ اور جہد مسلسل کرنے والے، اہل وفا و امانتدار، اہل زہد و عبادت، دن رات میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنے والے (۱۷ رکعت فریضہ ۳۴ رکعت نوافل)، راتوں کو قیام کرنے والے، دن میں روزہ رکھنے والے، اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرنے والے، حج بیت اللہ انجام دینے والے اور ہر حرام سے پرہیز کرنے والے ہوتے ہیں۔[2]

[9] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّمَا شِيْعَتُنَا يُعْرَفُوْنَ بِخِصَالٍ شَتّٰى: بِالسَّخَآءِ، وَ الْبَذْلِ لِلْاِخْوَانِ، وَ بِاَنْ يُّصَلُّوا الْخَمْسِيْنَ لَيْلًا وَّ نَهَارًا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعہ مختلف خصلتوں سے پہچانے جاتے ہیں: سخاوت، برادران ایمان پر مال صرف کرنا، دن رات میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنا۔[3]

[10] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلشِّيْعَةُ ثَلَاثٌ: مُحِبٌّ وَادٌّ فَهُوَ مِنَّا. وَ مُتَزَيِّنٌ بِنَا وَ نَحْنُ زَيْنٌ لِّمَنْ تَزَيَّنَ بِنَا. وَ مُسْتَاْكِلٌ بِنَا النَّاسَ وَ مَنِ اسْتَاْكَلَ بِنَا افْتَقَرَ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: ہمارے شیعہ تین طرح کے ہیں: ۱) واقعی محبت کرنے والے، یہ ہم سے ہیں ۲) ہمارے ذریعہ اپنی زینت کا انتظام کرنے والے، ان کیلئے ہم بہر حال باعث زینت ہیں ۳) ہمارے ذریعہ مال دنیا کمانے والے، ایسے افراد ہمیشہ فقیر رہیں گے۔[4]

[11] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِفْتَرَقَ النَّاسُ فِيْنَا عَلٰى ثَلَاثِ فِرَقٍ: فِرْقَةٌ اَحَبُّوْنَا انْتِظَارَ قَآئِمِنَا

---

[1] صفات الشیعۃ، حدیث ۳۲۔

[2] صفات الشیعۃ، حدیث ۱۔

[3] تحف العقول، ۳۰۳۔

[4] خصال شیخ صدوق، ص ۱۰۳، حدیث ۶۱۔ اعلام الدین، ص ۱۳۰۔ روضۃ الواعظین، ص ۳۲۱۔ مشکاۃ الانوار، ص ۷۸۔

لِيُصِيْبُوْا مِنْ دُنْيَانَا. فَقَالُوْا وَ حَفِظُوْا كَلَامَنَا وَ قَصَّرُوْا عَنْ فِعْلِنَا. فَسَيَحْشُرُهُمُ اللّٰهُ اِلَى النَّارِ. وَ فِرْقَةٌ اَحَبُّوْنَا وَ سَمِعُوْا كَلَامَنَا وَ لَمْ يُقَصِّرُوْا عَنْ فِعْلِنَا. لِيَسْتَاْكِلُوا النَّاسَ بِنَا. فَيَمْلَأُ اللّٰهُ بُطُوْنَهُمْ نَارًا. يُسَلِّطُ عَلَيْهِمُ الْجُوْعَ وَ الْعَطَشَ. وَ فِرْقَةٌ اَحَبُّوْنَا وَ حَفِظُوْا قَوْلَنَا وَ اَطَاعُوْا اَمْرَنَا وَ لَمْ يُخَالِفُوْا فِعْلَنَا. فَاُولٰٓئِكَ مِنَّا وَ نَحْنُ مِنْهُمْ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگ ہمارے سلسلہ میں تین حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں: ایک جماعت ہم سے محبت کرتی ہے اور ہمارے قائم کا انتظار کرتی ہے تا کہ ہمارے ذریعہ دنیا حاصل کرے، یہ لوگ ہمارے کلام کو محفوظ رکھتے ہیں لیکن ہمارے اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں، عنقریب خدا انہیں واصل جہنم کر دے گا۔ دوسری جماعت ہم سے محبت کرتی ہے، ہماری بات سنتی ہے اور عمل میں بھی کوتاہی نہیں کرتی ہے لیکن مقصد مال دنیا کا حصول ہی ہے تو خدا ان کے پیٹ کو آتش جہنم سے بھر دے گا اور ان پر بھوک پیاس کو مسلط کر دے گا۔ تیسری جماعت سے ہم سے محبت کرتی ہے، ہمارے اقوال کو محفوظ رکھتی ہے، ہمارے امر کی اطاعت کرتی ہے اور ہمارے اعمال کے خلاف نہیں کرتی ہے، یہی لوگ ہیں جو ہم سے ہیں اور ہم ان سے ہیں۔[1]

[12] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔لِرَجُلٍ ادَّعَى الْحُبَّ لِاَهْلِ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ۔: مِنْ اَيِّ مُحِبِّيْنَا اَنْتَ؟ فَسَكَتَ الرَّجُلُ. فَسَئَلَهُ سَدِيْرٌ: وَ كَمْ مُحِبُّوْكُمْ يَا بْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: عَلٰى ثَلَاثِ طَبَقَاتٍ: طَبَقَةٌ اَحَبُّوْنَا فِي الْعَلَانِيَةِ وَ لَمْ يُحِبُّوْنَا فِي السِّرِّ. وَ طَبَقَةٌ يُحِبُّوْنَا فِي السِّرِّ وَ لَم يُحِبُّوْنَا فِي الْعَلَانِيَةِ. وَ طَبَقَةٌ يُحِبُّوْنَا فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ هُمُ الَّنمَطُ الْاَعْلٰى... وَالطَّبَقَةُ الثَّانِيَةُ الَّنمَطُ الْاَسْفَلُ. اَحَبُّوْنَا فِي الْعَلَانِيَةِ وَ سَارُوْا بِسِيْرَةِ الْمُلُوْكِ. فَاَلسِنَتُهُمْ مَعَنَا وَ سُيُوْفُهُمْ عَلَيْنَا. وَ الطَّبَقَةُ الثَّالِثَةُ الَّنمَطُ الْاَوْسَطُ. اَحَبُّوْنَا فِي السِّرِّ وَلَمْ يُحِبُّوْنَا فِي الْعَلَانِيَةِ. وَ لَعَمْرِيْ! لَئِنْ كَانُوْا اَحَبُّوْنَا فِي السِّرِّ دُوْنَ الْعَلَانِيَةِ فَهُمُ الصَّوَّامُوْنَ بِالنَّهَارِ الْقَوَّامُوْنَ بِاللَّيْلِ تَرٰى اَثَرَ الرَّهْبَانِيَّةِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ. اَهْلُ سِلْمٍ وَّ انْقِيَادٍ. قَالَ الرَّجُلُ: فَاَنَا مِنْ مُحِبِّيْكُمْ فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ. قَالَ جَعْفَرٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ لِمُحِبِّيْنَا فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ عَلَامَاتٍ يُعْرَفُوْنَ بِهَا. قَالَ الرَّجُلُ: وَ مَا تِلْكَ الْعَلَامَاتُ؟ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تِلْكَ خِلَالٌ

---

[1] تحف العقول، ص ۵۱۴۔

اَوَّلُهَا: اِنَّهُمْ عَرَفُوا التَّوْحِيْدَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ وَاَحْكَمُوْا عِلْمَ تَوْحِيْدِهٖ۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں محبت اہلبیتؑ کا اظہار کیا تو آپؑ نے فرمایا: تم ہمارے کیسے دوستوں میں سے ہو، وہ شخص خاموش ہو گیا تو جناب سدیر صیرفی نے کہا: مولا! آپؑ کے دوستوں کی کتنی قسمیں ہیں؟ فرمایا: ہمارے دوستوں کے تین طبقات ہیں: ۱) وہ طبقہ جو ہم سے بظاہر محبت کرتا ہے لیکن اندر سے محبت نہیں کرتا ہے، ۲) وہ طبقہ جو اندر سے محبت کرتا ہے باہر سے اظہار نہیں کرتا ہے ۳) وہ طبقہ جو ہر حال میں ہم سے محبت کرتا ہے۔ یہی تیسرا طبقہ قسم اعلیٰ ہے اور دوسرا طبقہ جو بظاہر محبت کرتا ہے بادشاہوں کی سیرت پر عمل کرتا ہے کہ زبان ہمارے ساتھ ہوتی ہے اور تلوار ہمارے خلاف اٹھتی ہے۔ یہ پست ترین طبقہ ہے اور تیسری قسم جہاں اندر سے محبت ہوتی ہے اگر چہ اس کا اظہار نہیں ہوتا ہے یہ درمیانی درجہ کے چاہنے والے ہیں۔ میری جان کی قسم! اگر یہ لوگ اندر سے ہمارے چاہنے والے ہیں اور صرف باہر سے اظہار نہیں کرتے ہیں تو یہ ایسے ہیں جیسے دن میں روزہ رکھنے والے، راتوں کو نماز پڑھنے والے ہوں، ترک دنیاداری کے اثرات ان کے چہرے سے ظاہر ہوں گے اور مکمل طور پر تسلیم و اختیار والے ہوں گے۔ اس شخص نے عرض کی: میں تو ظاہر و باطن ہر اعتبار سے آپؑ کا چاہنے والا ہوں۔ فرمایا: ہمارے ایسے چاہنے والوں کی علامتیں معین ہیں۔ اس نے عرض کی: وہ علامتیں کیا ہیں؟ فرمایا: سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ یہ توحید پروردگار کی مکمل معرفت رکھتے ہیں اور اس کے نشانات کو محکم رکھتے ہیں۔[1]

(جاری ہے)

*****

[1] تحف العقول، ص ۳۲۵۔

قسط:22

شرحِ چہل حدیث

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

پندرہویں حدیث:

بِسَنَدِنَا الْمُتَّصِلِ اِلٰی سُلْطَانِ الْمُحَدِّثِیْنَ مُحَمَّدِ بْنِ یَعْقُوْبَ الْکُلَیْنِیْ (رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) عن عَلِیِّ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ مَحْبُوْبٍ عَنْ سَمَاعَۃَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: اِنَّ فِیْ کِتَابِ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ:

اَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ بَلَآءً النَّبِیُّوْنَ ثُمَّ الْوَصِیُّوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ. وَ اِنَّمَا یُبْتَلَی الْمُؤْمِنُ عَلٰی قَدْرِ اَعْمَالِہِ الْحَسَنَۃِ. فَمَنْ صَحَّ دِیْنُہٗ وَ حَسُنَ عَمَلُہٗ اشْتَدَّ بَلَآؤُہٗ وَ ذٰلِکَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ لَمْ یَجْعَلِ الدُّنْیَا ثَوَابًا لِّمُؤْمِنٍ وَّلَا عُقُوْبَۃً لِّکَافِرٍ وَّ مَنْ سَخُفَ دِیْنُہٗ وَ ضَعُفَ عَمَلُہٗ قَلَّ بَلَآؤُہٗ وَاَنَّ الْبَلَآءَ اَسْرَعُ اِلَی الْمُؤْمِنِ التَّقِیِّ مِنَ الْمَطَرِ اِلٰی قَرَارِ الْاَرْضِ۔

سماعہ سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کتاب حضرت علیؑ میں ہے کہ: لوگوں میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاءؑ کا لیا جاتا ہے، اس کے بعد اوصیاءؑ کا، اس کے بعد جو نیک لوگ ہوں پھر جو ان کے بعد نیک ہوں۔ مومن اپنے اچھے اعمال کے مطابق امتحان میں مبتلا ہوتا ہے۔ پس جس کا دین صحیح اور عمل اچھا ہو اس کا امتحان سخت ہوگا)، کیونکہ خدا نے مومن کیلئے دنیا کو ثواب اور کافر کیلئے عقوبت نہیں قرار دیا ہے اور جس کا دین اچھا نہ ہوگا اور اس کی عقل کم ہوگی اس پر بلا بھی کم ہوگی۔ پرہیزگار مومن پر بلا اس سے کہیں تیزی سے آتی ہے جتنی تیزی سے بارش (کا پانی) نشیبی زمین تک پہنچتا۔[1]

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵۹، کتاب ایمان وکفر، باب شدۃ ابتلاء المومن، حدیث ۲۹۔

شرح:

بعض نے فرمایا ہے کہ: ''اس حدیث میں ''ناس'' سے مراد کامل حضرات ہیں، جیسے انبیاءؑ واولیاءؑ و اوصیاءؑ۔ درحقیقت یہی حضرات ناس ہیں اور ان کے علاوہ تمام لوگ ''نسناس'' ہیں جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے''[1]، مگر یہ رائے قابل قبول نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر مناسب یہی ہے کہ تمام لوگوں کو مراد لیا جائے اور اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ کتاب ''الکافی'' میں اس باب کے اندر جو حدیثیں ہیں ان سے بھی یہی استفادہ ہوتا ہے اور اگر کسی حدیث میں آیا ہو کہ ''ناس'' سے کاملین مراد ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہاں بھی یہ لفظ آئے وہاں کاملین مراد ہوں گے۔

''بلا'' کے معنی امتحان وخبردار کرنے کے ہیں اور یہ نیک و بد دونوں کیلئے ہوتی ہے، جیسا کہ اہل لغت نے تصریح کی ہے۔ چنانچہ جوہری نے صحاح میں کہا ہے:

وَ البَلَآءُ الاخْتِبَارُ یَکُوْنُ بِالشَّرِّ وَ الخَیْرِ، یُقَالُ: اَبْلَاہُ اللّٰہُ بَلَآءً حَسَنًا، وَاَبْلَیْتُہٗ مَعْرُوْفًا۔

''بلا'' کے معنی امتحان وآزمائش کے ہیں جو خیر وشر دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''اللہ نے اُسے نیک امتحان میں مبتلا کیا''۔ یا کہا جاتا ہے: ''میں نے اسے اچھی آزمائش میں ڈال دیا''۔

مختصر یہ کہ جس چیز سے خدا اپنے بندے کا امتحان لے اس کو ''بلاء'' اور ''ابتلاء'' کہتے ہیں، چاہے وہ از قسم بیماری یا فقر وفاقہ یا ذلت ورسوائی ہو یا دنیا کا منہ موڑ لینا ہو یا ان کے مقابل کی چیزیں ہوں۔ اس لئے کہ بسا اوقات انسان کا امتحان کثرت جاہ واقتدار، کثرت مال ومنال، ریاست وعزت وعظمت سے بھی ہوتا ہے لیکن جب بھی ''بلاء، بلیۃ، ابتلاء'' اس قسم کے الفاظ کا مطلق ذکر ہو تو اس سے قسم اوّل مراد ہوا کرتی ہے۔

''امثل'' کے معنی اشرف وافضل کے ہیں۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے: ھٰذَا اَمْثَلُ مِنْ ھٰذَا، اَیْ اَفْضَلُ وَ اَدْنٰی اِلَی الْخَیْرِ: ''یہ اس سے افضل ہے اور خیر سے قریب ہے''۔ اَمَاثِلُ النَّاسِ یعنی

---

[1] مراۃ العقول، ج۹، ص۳۲۱، کتاب ایمان وکفر، باب شدۃ ابتلاء المومن، حدیث ۱۔

لوگوں میں افضل و برتر وہی ہے جو ان میں سے اچھا ہو۔ پس حدیث کے جملے ''ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ'' کا مطلب ہے ہر وہ شخص جو اوصیاء کے بعد افضل و نیک ہے اور اس کی بلا بھی دوسروں سے زیادہ سخت ہے اور جو شخص ان کے بعد افضل ہے، اس کا امتحان دوسروں سے زیادہ سخت ہے اور کثرت ابتلا فضل و برتری کے درجات کے حساب سے ہے اور اس قسم کی تعبیر فارسی میں نہیں ہے۔

اور ''سُخف'' عقل کی کمی اور خفت کے معنی میں ہے، جیسا کہ صحاح وغیرہ میں ہے۔

''قرار'' کے معنی مستقر یا جگہ کے ہیں، جیسا کہ لغت سے پتہ چلتا ہے۔ قاموس میں ہے:

اَلْقَرَارُ وَالْقَرَارَةُ: مَا قَرَّ فِيْهِ وَالْمُطْمَئِنُّ مِنَ الْاَرْضِ۔

''قرار'' اور ''قرارۃ'' کا معنی ثابت و غیر متحرک زمین ہے۔

اس میں وجہ مناسبتِ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بارش کیلئے زمین مستقر یا ٹھہرنے کی جگہ ہے اور بارش اس پر برستی اور اس میں سرایت کرتی ہے، اسی طرح مومن بھی مصائب کی آماجگاہ ہے۔ مصیبتیں اس پر حملہ آور ہوتی ہیں اور اس کی ذات میں ٹھہر جاتیں اور اس سے جدا نہیں ہوتیں۔ ان شاء اللہ اس حدیث شریف میں جن چیزوں کا ذکر ضروری ہے، اس کو چند فصلوں میں بیان کروں گا۔

پہلی فصل: امتحان اور اس کے نتیجے کی خدا کی طرف نسبت کی وجہ

یہ بات جان لینی چاہیے کہ انسانی نفوس کے تمام ادراکات و افعال شروع میں اور جب ان کا تعلق بدنوں سے ہوتا ہے اور عالم ملک کی طرف بلند ہوتے ہیں تو ان میں تمام علوم و معارف اور اچھے برے ملکات بالقوۃ موجود ہوتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ پروردگار عالم کی عنایت سے فعلیت کی طرف آنے لگتے ہیں اور شروع میں اس کے اندر بہت ہی کمزور اور جزئی ادراکات پیدا ہوتے ہیں، جیسے احساس لمس اور دوسرے ظاہری حواس، لیکن پہلے پست پھر اس سے بھی پست قسم کے حواس سے ابتدا ہوتی ہے، اس کے بعد باطنی ادراکات بھی بالترتیب اس میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن یہ سب ملکات بالقوۃ ہی ہوتے ہیں اور اگر یہ کسی (معقول چیز) کے زیر اثر نہ ہوئے تو اپنی نوع کے اعتبار سے ملکات خبیثہ اس کے اندر غالب ہو جاتے ہیں اور یہ برائی اور بیہودگی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، کیونکہ داخلی اسباب، مثلاً شہوت، غضب

وغیرہ فطری طور پر اس کو فسق و فجور اور ظلم و زیادتی کی دعوت دیتے ہیں اور پھر انسان تھوڑے ہی دنوں میں ان خواہشات کی پیروی کرنے کے بعد عجیب قسم کا حیوان اور بدترین قسم کا شیطان بن جاتا ہے۔

مگر چونکہ عنایت رحمت خداوند عالم بنی آدم کیلئے روز اوّل سے ہی تھی اس لئے اس نے دو قسم کے مربی اور تہذیب سکھانے والے انسان کیلئے عطا فرمائے اور یہ دونوں چیزیں انسان کیلئے تقدیر کامل کے ساتھ دو پَروں کی مانند ہیں کہ اگر انسان چاہے تو ان کے ذریعے جہالت و نقص اور برائی و شقاوت کی پستی سے نکل کر علم و معرفت اور کمال و جمال و سعادت کی بلندی تک پہنچ جائے اور اپنے کو فطرت کی تنگ وادی سے نکال کر ملکوت کی اعلیٰ اور وسیع فضا تک پہنچا دے اور ان دونوں مربیوں میں سے ایک مربی باطنی ہے جس کو ''قوت عقل و تمیز'' کہا جاتا ہے اور دوسرا مربی خارجی ہے جس کو ''نبی و رسول'' کہا جاتا ہے جو سعادت و شقاوت کے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر اس مقصد کو انجام نہیں دے سکتے، کیونکہ انسانی عقل خود سعادت و شقاوت کے راستوں کو تلاش نہیں کر سکتی اور عالم غیب و آخرت کا راستہ نہیں پیدا کر سکتی۔ (اسی طرح) قوت تمیز اور عقلی ادراک کے بغیر انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و رہنمائی موثر نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا خداوند عالم نے دونوں قسم کے (خارجی اور داخلی) مربی مرحمت فرما کر نفوس کے اندر چھپی ہوئی محفوظ قوتوں اور صلاحیتوں کو فعلیت بخشی اور ان عظیم نعمتوں کو حق تعالیٰ نے انسان کے امتحان و آزمائش کیلئے عطا فرمایا۔ اس لئے کہ بنی نوع بشر کے افراد انہی دونوں قوتوں سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں اور شقی و سعید، مطیع و عاصی، کامل و ناقص قرار پا کر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالحَقِّ. لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً وَّ لَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً۔

اس خدا کی قسم جس نے رسولؐ کو برحق مبعوث کیا! تم لوگ یقیناً آپس میں ملا دیئے جاؤ گے اور ایک دوسرے سے جدا کئے جاؤ گے۔[1]

اور کتاب ''کافی شریف'' میں باب تمحیص و امتحان کے اندر ابن ابی یعفور روایت کرتے ہیں کہ

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۶۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَنْ یُمَحَّصُوْا وَ یُمَیَّزُوْا وَ یُغَرْبَلُوْا وَ یُسْتَخْرَجَ فِیْ الْغِرْبَالِ خَلْقٌ کَثِیْرٌ۔

لوگوں کا خالص ہونا اور ان کا امتحان لیا جانا اور بہت سے لوگوں کا چھلنی سے چھان کر صاف کیا جانا اور تمیز دیا جانا ضروری ہے۔[1]

جناب منصور روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

یَا مَنْصُوْرُ! اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا یَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَعْدَ اِیَاسٍ وَّ لَا وَاللّٰهِ! حَتّٰی تُمَیَّزُوْا وَ لَا وَاللّٰهِ! حَتّٰی تُمَحَّصُوْا وَ لَا وَاللّٰهِ! حَتّٰی یَشْقٰی مَنْ یَّشْقٰی وَ یَسْعَدُ مَنْ یَسْعَدُ۔

اے منصور! یہ امر بہت مایوسی کے بعد عمل میں آئے گا۔ نہیں، خدا کی قسم! یہاں تک کہ تم لوگوں کو ایک دوسرے سے تمیز دیدی جائے۔ نہیں خدا کی قسم! یہاں تک کہ تم لوگ خالص ہو جاؤ۔ نہیں، خدا کی قسم! یہاں تک کہ شقی ہونے والا شقی اور سعید ہونے والا سعید (ثابت) ہو جائے۔[2]

ایک دوسری حدیث میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

یُخْلَصُوْنَ کَمَا یُخْلَصُ الذَّهَبُ۔

یہاں تک کہ لوگ اسی طرح خالص ہو جائیں جیسے سونا خالص ہو جاتا ہے۔[3]

اسی طرح ''کافی شریف'' کے ''باب ابتلاء واختبار'' میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ قَبْضٍ وَّ لَا بَسْطٍ اِلَّا وَ لِلّٰهِ فِیْهِ مَشِیْئَةٌ وَّ قَضَآءٌ وَّ ابْتِلَآءٌ۔

کوئی بھی قبض و بسط (وجود میں) نہیں آتا جب تک اس کے بارے میں قضا و ابتلا

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۳۷۰، کتاب الحجت، باب التمحیص والامتحان، حدیث ۲۔

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۳۷۰، کتاب الحجت، باب التمحیص والامتحان، حدیث ۳۔

[3] اصول کافی، ج ۱، ص ۳۷۰، کتاب الحجت، باب التمحیص والامتحان، حدیث ۴۔

ومشیت الٰہی (متعلق) نہ ہوجائے۔[1]

حضرتؑ سے ایک دوسری حدیث میں منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَيْسَ شَيْءٌ فِيْهِ قَبْضٌ اَوْ بَسْطٌ مِمَّآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَوْ نَهٰى عَنْهُ اِلَّا وَ فِيْهِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ابْتِلَآءٌ وَّ قَضَآءٌ۔

خدا کی طرف سے منع کئے جانے والی یا حکم دیئے جانے والی اشیاء میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کسی قسم کی ممانعت یا عطا ہو مگر یہ کہ اس میں قضا و امتحان الٰہی شامل نہ ہو۔[2]

''قبض'' کے معنی لغت میں روکنے، منع کرنے اور لینے کے ہیں اور ''بسط'' کے معنی پھیلانے اور عطا کے ہیں۔ ہر عطا، وسعت اور ممانعت اور ہر قسم کا امر و نہی اور ذمہ داری یہ سب امتحان کیلئے ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعثت انبیاءؑ اور آسمانی کتابوں کا بھیجنا انسانوں کے درمیان فرق کے اظہار، نیز شقی و سعید، نافرمان و فرمانبردار کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کیلئے ہے اور خدا کے امتحان و آزمائش کا مطلب یہی ہے کہ انسان دوسروں سے ممتاز ہوجائے، ان کے درمیان فرق کا علم نہیں، اس لئے کہ خدا کا علم تو تمام اشیاء پر محیط ہے اور ازلی ہے اور چیزوں کے ایجاد سے پہلے ہے۔ البتہ حکماء نے ابتلا و امتحان کے سلسلے میں کافی بسط و تفصیل سے بحث کی ہے جس کا ذکر میزان (اعتدال) سے خارج ہے۔

پس بطور مطلق امتحان کے یہی دو بڑے نتیجے ہیں، (یعنی) شقی و سعید میں امتیاز! اس امتحان و آزمائش سے بھی خدا کی حجت تمام مخلوق پر تمام ہوجاتی ہے اور ہر شخص کی ہلاکت و شقاوت، سعادت و حیات حجت و دلیل کے ماتحت ہوتی ہے اور پھر اعتراض کا راستہ ختم ہوجاتا ہے۔ (اب) جو شخص ابدی سعادت اور حیاتِ جاوید حاصل کرلے وہ ہدایت پر ہے اور توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہے، کیونکہ تمام اسبابِ تحصیل (سعادت) اس کو مرحمت فرما دیئے گئے ہیں اور جو شخص ہدایت کے تمام راستوں کے فراہم اور اسباب سعادت کے اکٹھا ہونے کے بعد شقاوت و (اسباب) ہلاکت حاصل کرے اور نفس و شیطان

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۵۲، کتاب توحید، باب الابتلاء والاختبار، حدیث ۱۔

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۵۲، کتاب توحید، باب الابتلاء، والاختبار، حدیث ۲۔

کی پیروی کرے وہ اپنی مرضی سے ہلاک ہوا اور شقاوت و بدبختی میں ڈوب گیا، خدا کی حجت بالغہ اس پر تمام ہے۔ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾۔[1]

دوسری فصل: انبیاء اوصیا اور مومنین کے شدید ابتلا کی وجہ

اس سے پہلے (چھٹی حدیث کی فصل ۶ میں) بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے، بلکہ ملک بدن میں جو بھی ہوتا ہے اور وہ نفس کے ادراک سے متعلق ہو خواہ وہ اچھا کام ہو یا برا اس کا نفس پر ایک اثر مرتب ہوتا ہے جس کی تعبیر روایات میں ''سفید نقطہ'' اور ''سیاہ نقطہ'' سے کی گئی ہے[2]۔ وہ چیز لذت والی ہو یا درد و الم والی ہو۔ مثلاً کھانے پینے اور نکاح وغیرہ سے انسان کو جو لذات حاصل ہوتی ہے، اس سے نفس کے اندر ایک اثر پیدا ہوتا ہے اور باطن روح میں اس چیز کیلئے لگاؤ اور محبت پیدا ہو جاتی اور نفس کی توجہ اس کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔

اب انسان لذتوں اور خواہشوں میں جتنا غوطہ زن ہوگا نفس کی محبت اس دنیا سے اتنی زیادہ ہوگی اور اعتماد و بھروسہ بڑھے گا اور نفس کا تعلق دنیا سے بہت زیادہ ہو جائے گا اور وہ اس لگاؤ کا عادی بن جائے گا۔ اب جتنی زیادہ اس کے ذائقہ کی لذت ہوگی اتنی ہی محبت کی جڑیں اور مضبوط ہوں گی۔ اسباب عیش و عشرت اور آرام جتنے زیادہ فراہم ہوں گے، دنیا سے لگاؤ کا درخت اتنا ہی تنومند ہوگا اور نفس کی توجہ جتنی دنیا کی طرف ہوگی اسی مقدار سے وہ حق تعالیٰ اور عالم آخرت سے غافل ہوگا۔ چنانچہ اگر نفس کی پوری توجہ دنیا کی طرف ہوگی اور اس کا مقصد مادی و دنیاوی ہو جائے گا تو حق تعالیٰ اور اس کے دار کرامت سے بالکل اس کی توجہ ہٹ جائے گی۔ جیسا کہ آیہ مجیدہ میں ارشاد ہے:

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶۔ ترجمہ: ''ہر شخص جو نیک عمل کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو بدی کرتا ہے اس کا انجام بھی اسی کو بھگتنا ہے''۔

[2] جناب زارہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: مَا مِنْ عَبْدٍ اِلَّا وَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ فَاِذَا اَذْنَبَ ذَنْبًا خَرَجَ فِي النُّكْتَةِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَاِنْ تَابَ ذَهَبَ ذٰلِكَ السَّوَادُ وَاِنْ تَمَادٰى فِي الذُّنُوْبِ زَادَ ذٰلِكَ السَّوَادُ حَتّٰى يُغَطِّيَ الْبَيَاضَ فَاِذَا غَطَّى الْبَيَاضَ لَمْ يَرْجِعْ صَاحِبُهُ اِلٰى خَيْرٍ اَبَدًا: ہر بندے کے دل میں ایک سفید نقطہ ہوتا ہے۔ جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس نقطے میں سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اس نے توبہ کر لی تو سیاہی ختم ہو جاتی ہے اور اگر برابر گناہ کرتا رہا تو وہ سیاہی بڑھتے بڑھتے سفیدی کو چھپا دیتی ہے اور جب سفیدی چھپ جاتی ہے تو وہ شخص نیکی اور اچھائی کی طرف نہیں پلٹ سکتا۔

(اصول کافی، ج ۲، ص ۲۷۳، کتاب ایمان و کفر، باب الذنوب، حدیث ۲۰)

﴿أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾

وہ (انسان جو) پستی کی طرف مائل ہوا اور اپنی خواہش کی پیروی کی۔[1]

پس لذتوں اور خواہشوں کے سمندر میں ڈوبنا قہری طور سے محبت دنیا پیدا کرتا ہے اور دنیا کی محبت دوسری چیزوں سے نفرت کا باعث بن جاتی ہے اور ملک کی طرف توجہ ملکوت سے غفلت پیدا کر دیتی ہے۔

مگر اس کے برعکس انسان کسی چیز سے برائی دیکھتا اور ناپسندیدگی کا احساس کرتا ہے تو اس ادراک کی صورت نفس کے اندر ایک نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ اب وہ صورت جتنی قوی ہوگی باطنی نفرت بھی اس قدر شدید ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی ایسے شہر میں چلا جائے جہاں وہ بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے اور اندرونی اور بیرونی ناموزوں حالات سے دوچار ہو جائے تو وہ فطری طور سے اس جگہ سے نفرت کرے گا اور وہاں مزید قیام کرنے کا ارادہ ترک کر دے گا۔ اب مصائب جتنے زیادہ بڑے ہوں گے نفرت و بیزاری اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اب اگر اس کو کسی اچھے شہر کا پتہ ہوگا تو وہاں کوچ کر جائے گا اور اگر وہاں نہ جا سکتا ہو تو (کم سے کم) اس جگہ سے دل لگاؤ ضرور ہوگا اور اس کا دل وہیں لگا رہے گا۔

اس طرح اگر انسان نے اس دنیا میں مصیبت و تکلیف، بیماری اور مشکلات برداشت کی ہے، فتنوں، مشقتوں سے برابر پالا پڑتا رہا تو فطرتاً اس دنیا سے متنفر ہو جائے گا اور اس سے محبت بھی کم ہو جائے گی اور اس پر بھروسہ بھی کم ہو جائے گا۔ (اس کے ساتھ) اگر دوسرے عالم کا عقیدہ رکھتا ہوگا اور ایسی وسیع فضا کا سراغ رکھتا ہوگا جو ہر تکلیف والم سے خالی ہو تو قہری طور سے وہاں کا سفر کرے گا۔ اور اگر جسمانی سفر نہ کرے تو روحانی سفر کرے گا اور وہاں سے دل لگا بیٹھے گا اور یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ تمام اعمالی، اخلاقی اور روحانی خرابیاں دنیا کی محبت اور آخرت و خدا سے غفلت کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں اور (حدیث کے مطابق) دنیا کی محبت ہر خطا کی بنیاد ہے[2]۔ (اس لئے) تمام روحانی، اخلاقی و اعمالی اصلاح، خدا اور

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۷۶۔

[2] رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ: دنیا کی محبت ہر غلطی کی بنیاد ہے۔

(اصول کافی، ج ۲، ص ۱۳۱، کتاب ایمان وکفر باب زم دنیا اور اس میں زہد، حدیث ۱۱)

دار کرامت کی طرف توجہ اور دنیا سے لاتعلقی اور اس کی زیبائش پر بھروسہ نہ کرنے پر موقوف ہے۔

اس تمہید سے یہ معلوم ہو گیا کہ خدا کا فضل و کرم اور اس کی عنایت جس پر زیادہ ہوتی ہے، اس ذات مقدس کا رحم جس کے شامل حال ہوتا ہے، وہی اس دنیا اور اس کی زیبائش سے پرہیز کرتا ہے اور فتنے اور بلائیں بھی اس شخص پر زیادہ نازل ہوتی ہیں تا کہ اس کی روح اس دنیا اور اس کی زیبائش سے نفرت کرنے لگے اور اپنے ایمان کے مطابق آخرت کی طرف متوجہ ہو اور اس کا دل بھی ادھر ہی متوجہ ہو جائے۔ شدت ابتلا کیلئے اگر اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہ ہوتی تب بھی یہ کافی تھی۔ احادیث شریفہ میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَتَعَاهَدُ الْمُؤْمِنَ بِالْبَلَآءِ كَمَا يَتَعَاهَدُ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ بِالْهَدِيَّةِ مِنَ الْغَيْبَةِ وَيَحْمِيْهِ الدُّنْيَا كَمَا يَحْمِي الطَّبِيْبُ الْمَرِيْضَ۔

خدا اپنے بندہ مومن کو بلاؤں کا تحفہ اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح سفر سے پلٹ کر آنے والا اپنے اہل و عیال کیلئے سوغات لاتا ہے اور دنیا سے اس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح طبیب اپنے مریض کو پرہیز کراتا ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔[2]

کسی کو یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ خدا کی اپنے بعض بندوں سے محبت اور پھر پور عنایت، نعوذ باللہ، خواہ مخواہ اور بلا وجہ ہوا کرتی ہے، بلکہ مومن و بندہ خاص جو قدم بھی خدا کیلئے اٹھاتا ہے خدا کی عنایت اس کی طرف ہوتی ہے اور خدا اس سے ایک بالشت قریب ہو جاتا ہے۔[3]

ایمان کے مراتب اور اسباب توفیق کے مہیا ہونے کی مثال اس انسان کی طرح ہے جو تاریک

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵۵، کتاب ایمان و کفر، باب شدت ابتلائے مومن، حدیث ۱۷۔

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵۹، کتاب ایمان و کفر، باب شدت ابتلائے مومن، حدیث ۲۸۔

[3] حدیث میں ارشاد ہے: مَنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا: جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اس سے میں ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ (بحار الانوار، ج ۳، ص ۳۱۳، کتاب التوحید، باب ۱۴، کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۵، حدیث ۱۳۵)

راستے میں چراغ لے کر چلتا ہو۔ وہ جو قدم بھی اٹھائے اس کا اگلا حصہ روشن ہو جائے گا اور وہ اگلے قدم کیلئے رہنما ہو گا۔ (اسی طرح) انسان آخرت کیلئے جو قدم اٹھائے گا اس کا راستہ روشن ہو جائے گا، پروردگار کی عنایت اس کیلئے زیادہ ہو گی، عالم قرب کے اسباب اور عالم بعد سے نفرت پیدا ہوتی جائے گی۔ چونکہ ذمہ داریاں نبھانے کے دوران انبیاء واولیاء علیہم السلام کی طرف سے اطاعت کا علم خدا کو ازل سے ہی تھا، اس لئے ان حضراتؑ کے ساتھ خدا کی ازل سے عنایتیں بھی تھیں۔ جیسے اگر آپ کے دو بچے ہوں اور آپ کو ان کے بچپنے ہی میں معلوم ہو جائے کہ ایک ہمیشہ ایسا کام کرے گا جو آپ کی خوشنودگی کا سبب ہو گا اور دوسرا ہمیشہ ایسے امور انجام دے گا جو آپ کی ناراضگی کا سبب ہوں گے تو قہری طور سے آپ کی عنایت (وتوجہ) مطیع لڑکے کی طرف زیادہ رہے گی۔

خدا کے خاص بندوں کے مبتلائے مصیبت ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب یہ لوگ پریشانیوں اور مشکلات میں ہوتے ہیں تو بارگاہ اقدس الٰہی میں تضرع وزاری اور مناجات کرتے ہیں، اس طرح ذکر وفکر سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ انسانی فطرت کے اندر یہ بات ہے کہ مصیبتوں کے وقت ہر اس چیز کا سہارا لینے کی کوشش کرتا ہے جس سے نجات کا احتمال ہو۔ (حالانکہ) سلامتی اور راحت کے وقت اس سے غافل رہتا ہے اور چونکہ خاصان خدا، پروردگار کے علاوہ کسی اور کو سہارا نہیں مانتے، لہٰذا اس کی طرف متوجہ ہوتے اور دنیا سے قطع تعلق کر کے صرف اسی سے وابستگی پیدا کرتے ہیں اور خدا بھی ان لوگوں پر عنایت کرتا ہے اور خلق سے لاتعلقی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اگرچہ یہ وجہ اور اس سے پہلے والی وجہ (دونوں) انبیاء اور کامل اولیاء کے سلسلہ میں درست نہیں ہیں، کیونکہ ان حضرات کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے اور ان کے قلوب ایسے نہیں ہیں کہ ان امور کے ذریعے سے لگاؤ اور تعلق پیدا کریں یا ان امور کی وجہ سے ان کی توجہ یا لاتعلقی میں کوئی فرق پڑ سکتا ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاءؑ اور کامل اولیاء اپنے باطنی نور اور روحانی مکاشفات کی بنا پر جانتے ہیں کہ خداوند عالم دنیا وزیبائش دنیا کی طرف نظر لطف نہیں رکھتا اور دنیا ومافیہا خدا کی مقدس نظر میں پست وذلیل ہے۔ اس بنا پر ان حضرات نے فقر کو غنا پر، ابتلا کو راحت پر اور بلیات کو دوسری چیزوں پر مقدم کیا ہے اور

احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت بھی ہے۔[1]

اسی طرح روایات میں ملتا ہے کہ ایک دفعہ جناب جبریل امینؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ ایک اور فرشتہ بھی تھا جس کے ہاتھ میں زمین کے خزانوں کی کنجیاں تھیں۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اگر آپؐ ان کو قبول کرلیں تو آپؐ کے اُخروی درجات میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے سامنے فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے قبول نہ فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا۔[2]

کافی شریف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ الکَافِرَ لَیَھُوْنُ عَلَی اللہِ حَتّٰی لَوْ سَئَلَہُ الدُّنْیَا بِمَا فِیْھَا اَعْطَاہُ ذٰلِکَ۔

کافر خدا کی نظر میں ناچیز ہے، یہاں تک کہ اگر وہ دنیا مافیہا کا سوال کرے تو خدا اس کو دیدے گا۔[3]

واضح رہے کہ یہ صرف خدا کی نظر میں دنیا کی بے وقعتی کی وجہ سے ہے۔

ایک حدیث میں ہے: خدا نے جب سے عالم اجسام کو پیدا کیا ہے اس کی طرف کبھی نظر کرم سے نہیں دیکھا ہے۔[4]

مومنین کے شدت ابتلا کی وجہ یہ بھی ہے جس کا ذکر ایک روایت میں یوں ہے کہ: مومنین کیلئے درجات ہیں اور جب تک وہ بلاؤں اور آلام و امراض میں مبتلا نہ ہوں گے ان درجات کو حاصل نہ کرسکیں گے۔[5]

اب ہوسکتا ہے کہ یہ درجات دنیا سے روگردانی اور خدا کی طرف توجہ کی صورت میں حاصل ہوں اور

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ، ۱۵۹، خطبہ نمبر ۲۳۴ (خطبہ قاسعہ)۔

[2] امالی شیخ صدوقؒ مجلس ۶۹، حدیث ۲۔

[3] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵۹، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلاء المومن، حدیث ۲۸۔

[4] بحار الانوار، ج ۷۰، ص ۱۱۰، کتاب ایمان وکفر، باب ۱۲۲، حدیث ۱۰۹۔

[5] بحار الانوار، ج ۷۸، کتاب الطہارۃ، باب ۴۴، حدیث ۱۱۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان بلاؤں کی ایک ملکوتی صورت ہو کہ جب تک عالم ملک میں اس کا ظہور نہ ہو اور مومن اس میں مبتلا نہ ہو اس کو حاصل نہ کرسکتا ہو۔

کافی میں حدیث شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَيَكُوْنُ لِلْعَبْدِ مَنْزِلَةٌ عِنْدَ اللهِ فَمَا يَنَالُهَا اِلَّا بِاِحْدَى خِصْلَتَيْنِ اِمَّا بِذِهَابِ مَالِهٖ اَوْ بِبَلِيَّةٍ فِيْ جَسَدِهٖ۔

تحقیق خدا کے پاس بندے کی منزلت ہوتی ہے جس کو وہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے ہی حاصل کرسکتا ہے: یا اس کا مال چلا جائے یا اسے کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہوجائے۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کی خبر شہادت کے سلسلے میں آیا ہے کہ آپؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے امام مظلومؑ سے فرمایا: ''تمہارے لئے بہشت میں ایک درجہ ہے جس تک رسائی صرف شہادت ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے''۔[2]

البتہ راہ خدا میں شہادت کی ملکوتی صورت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک وہ ملک میں واقع نہ ہوجائے۔ جیسا کہ علوم عالیہ میں ثابت ہے اور احادیث متواترہ میں ہے کہ ہر عمل کی دوسرے عالم

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵۷، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلاء المومن، حدیث ۲۳۔

[2] بحار میں ہے کہ: فَجَآءَهُ النَّبِيُّ وَ هُوَ فِيْ مَنَامِهٖ فَاَخَذَ الْحُسَيْنَ وَ ضَمَّهٗ اِلٰى صَدْرِهٖ وَ جَعَلَ يُقَبِّلُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ يَقُوْلُ: بِاَبِيْ اَنْتَ كَاَنِّيْ اَرَاكَ مُرَمَّلًا بِدَمِكَ بَيْنَ عِصَابَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَرْجُوْنَ شَفَاعَتِيْ مَا لَهُمْ عِنْدَ اللهِ مِنْ خَلَاقٍ. يَا بُنَيَّ! اِنَّكَ قَادِمٌ عَلٰى اَبِيْكَ وَ اُمِّكَ وَ اَخِيْكَ وَ هُمْ مُشْتَاقُوْنَ اِلَيْكَ وَ اِنَّ لَكَ فِي الْجَنَّةِ دَرَجَاتٍ لَّا تَنَالُهَا اِلَّا بِالشَّهَادَةِ: پس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ کے خواب میں تشریف لائے اور آکر امام حسین علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسے دینے شروع کردیئے۔ اس دوران آپؐ فرمارہے تھے: میرا باپ تجھ پر فدا ہوجائے، میں تم کو اپنی امت کے ایک ایسے گروہ کے درمیان اپنے خون میں ڈوبا ہوا دیکھ رہا ہوں جو میری شفاعت کے متمنی ہوں گے جن کا خدا کے یہاں خیر کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میرے لال! تم (بہت جلد) اپنے باپ بھائی اور ماں کے پاس آنے والے ہو۔ وہ لوگ تمہارے مشتاق ہیں۔ جنت میں تمہارے لئے کچھ ایسے درجات ہیں جن کو تم شہادت ہی کے ذریعے حاصل کرسکو گے۔ (بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۱۳، باب ۳۷، حدیث ۱)

میں ایک صورت ہوتی ہے۔[1]

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ عَظِیْمَ الْاَجْرِ لَمَعَ عَظِیْمِ الْبَلَآءِ . وَمَآ اَحَبَّ اللّٰهُ قَوْمًا اِلَّا ابْتَلَاهُمْ۔

عظیم اجر عظیم بلا سے وابستہ ہے، خدا کسی قوم کو اس وقت تک دوست نہیں رکھتا جب تک اس کو مبتلا نہ کر دے۔[2]

اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں۔

تیسری فصل

عظیم محدث علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان حدیثوں میں (یعنی سنی وشیعہ طریقے سے وارد ہونے والی وہ حدیثیں جن میں انبیاءؑ کے ابتلا کا ذکر ہے) جو بات بیان کی گئی ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ حسی امراض اور جسمانی بیماریوں میں انبیاءؑ واوصیاءؑ بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ حضراتؑ اجر عظیم وتفاوت درجات کی

---

[1] معراج کی طویل حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فَاِذَا اَنَا بِقَوْمٍ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ مَوَآئِدُ مِنْ لَحْمٍ طَیِّبٍ وَلَحْمٍ خَبِیْثٍ وَهُمْ یَاْكُلُوْنَ الْخَبِیْثَ وَیَدَعُوْنَ الطَّیِّبَ. فَسَئَلْتُ جَبْرَئِیْلَ: مَنْ هٰؤُلَآءِ؟ فَقَالَ: اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الْحَرَامَ وَیَدَعُوْنَ الْحَلَالَ مِنْ اُمَّتِكَ. قَالَ: ثُمَّ مَرَرْتُ بِاَقْوَامٍ لَهُمْ مَشَافِرُ كَمَشَافِرِ الْاِبِلِ یُقْرَضُ اللَّحْمُ مِنْ اَجْسَامِهِمْ وَیُلْقٰى فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ. فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَآءِ؟ یَا جَبْرَئِیْلُ! فَقَالَ: هُمُ الْهَمَّازُوْنَ اللَّمَّازُوْنَ. ثُمَّ مَرَرْتُ بِاَقْوَامٍ تُرْضَخُ وُجُوْهُهُمْ وَرُؤُوْسُهُمْ بِالصَّخْرِ فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَآءِ؟ یَا جَبْرَئِیْلُ! فَقَالَ: اَلَّذِیْنَ یَتْرُكُوْنَ صَلٰوةَ الْعِشَآءِ:
شب معراج میں نے ایک گروہ کو دیکھا جن کے سامنے پاکیزہ اور گندے گوشت کا دسترخوان لگا ہوا تھا مگر وہ لوگ گندے گوشت کھا رہے تھے اور اچھا گوشت چھوڑ رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ آپؐ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: پھر میرا گزر ایک ایسی جماعت کے پاس سے ہوا جن کے منہ اونٹ کی طرح کے تھے، ان کے جسم سے گوشت کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جارہا تھا۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ لگائی بجھائی کرنے والے چغل خور ہیں۔ اس کے بعد میرا گزر ایک ایسی جماعت کے پاس سے ہوا جن کے چہرے اور سروں کو پتھروں سے کچلا جارہا تھا۔ میں جبرئیلؑ سے پوچھا: یہ وہ لوگ ہیں؟ کہا: جو نماز عشاء کو چھوڑ دیتے تھے۔
(بحار الانوار، ج ۶، ص ۲۳۹، کتاب العدل، والمعاد، باب احوال البرزخ والقبر وعذابہ وسوالہ۔ علم الیقین، ج ۲، ص ۸۸۲، المقصد الرابع، باب ۲)

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵۲، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلاء المومن، حدیث ۳۔

وجہ سے دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مگر ان کا بیماریوں یا بلاؤں میں مبتلا ہونا ان کی عظمت مقام کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ تو ان کے استحکام امر کا سبب بنتا ہے، بلکہ ان سے صادر ہونے والے معجزات اور خارق عادت امور کے ظہور کی وجہ سے اگر ان کو بلاؤں میں مبتلا نہ کیا جائے تو لوگ ان کے بارے میں وہی سب کچھ کہنے لگیں گے جو عیسائی اپنے پیغمبر کے بارے میں کہتے ہیں اور یہ علت خود روایات میں آئی ہے۔[1]

محقق و مدقق اور عظیم قدوسی حکیم (خواجہ نصیر الدین طوسی[2] (عطر اللہ مرقدہ) اپنی کتاب ''تجرید'' میں ''انبیاءؑ کو جن چیزوں سے مبرا ہونا چاہیے'' کے بیان میں فرماتے ہیں:

جن چیزوں سے لوگوں کو نفرت ہو انبیاءؑ کو ان سے بری ہونا چاہیے۔

اس کی شرح میں عظیم محقق و عالم علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انبیاءؑ کو نفرت آمیز امراض، مثلاً سلسل بول و غائط، جذام اور برص سے، اس لئے منزہ ہونا چاہیے کہ ان امراض سے لوگ نفرت کرتے ہیں جو غرض بعثت کے مخالف ہے۔[3]

راقم الحروف کے نزدیک اگرچہ مقام نبوت روحانی مدارج اور نفسانی کمالات کے تابع ہوتا ہے، جسم و جسمانیت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہوتا اور جسمانی امراض اور جسمانی نقص سے ان کے روحانی کمالات میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوتی اور نفرت آمیز بیماریاں انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ و عظمت کو گھٹا نہیں سکتیں۔ اگر ان چیزوں کو ان کے کمالات کی تاکید نہ بھی تسلیم کیا جائے اور ان کے مؤید درجات نہ بھی مانا جائے تب بھی ان کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں ہوتی، جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا گیا۔ مگر دونوں محققین نے جو

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۴، ص ۲۵۰، کتاب ایمان و کفر، باب شدت ابتلاء المومن۔

[2] ''محمد بن حسن طوسی'' (۵۹۷۔ ۶۷۲ھ) جو ''خواجہ نصیر'' اور ''محقق طوسی'' کے لقب سے مشہور ہیں، اسلام کے معروف ترین فلاسفہ اور دانشوروں میں تھے۔ فلسفہ کلام، ریاضیات اور ہیئت میں تجربہ رکھتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں علامہ حلی، قطب الدین شیرازی، سید عبدالکریم بن طاؤس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ کی تصانیف میں ''شرح اشارات''، ''تجرید''، ''تحریر اقلیدس''، وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

[3] کشف المرادفی شرح تجرید الاعتقاد، ص ۲۱۸، مقصد چہارم فی وجوب العصمۃ۔

بات کہی ہے وہ بھی خالی از وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ عوام الناس ان مقامات کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جسمانی نقص روحانی نقص کی وجہ سے ہوتا ہے یا (کم ازکم) جسمانی نقص روحانی نقص کے ساتھ ہوتا ہے، بلکہ بعض نقائص کو ان کے علو مرتبہ اور رفعت شان کے منافی سمجھتے ہیں، اس لئے پروردگار عالم کی عنایت کا تقاضا ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام صاحب شریعت اور مبعوث برسالت ہوں ان کا امراض میں مبتلا نہ ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس سے مقام نبوت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ یہ فائدہ تبلیغ کو مکمل کرنے کیلئے ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بعض ایسے انبیاء علیہم السلام جو صاحب شریعت نہ ہوں وہ ان امراض میں مبتلا ہو جائیں اور بڑے بڑے اولیاء و مومنین بھی اس قسم کی بلاؤں میں گرفتار ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام، جناب حبیب نجار (وغیرہ) مبتلا ہوئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے سلسلے میں تو بہت سی روایات ہیں کہ وہ مبتلا ہوئے تھے۔ مثلاً تفسیر قمی میں ابوبصیر سے مروی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک طویل حدیث میں آپ کا ارشاد ہے:

فَسَلَّطَهُ عَلٰى بَدَنِهٖ مَا خَلَا عَقْلَهٗ وَ عَيْنَهٗ فَنَفَخَ فِيْهِ اِبْلِيْسُ فَصَارَ قَرْحَةً وَّاحِدَةً مِّنْ قَرْنِهٖ اِلٰى قَدَمِهٖ. فَبَقِيَ فِيْ ذٰلِكَ دَهْرًا طَوِيْلًا يَحْمِدُ اللّٰهَ وَ يَشْكُرُهٗ حَتّٰى وَقَعَ فِيْ بَدَنِهِ الدُّوْدُ. وَ كَانَتْ تَخْرُجُ مِنْ بَدَنِهٖ فَيَرُدُّهَا وَ يَقُوْلُ لَهَا: ارْجِعِيْ اِلٰى مَوْضِعِكِ الَّذِيْ خَلَقَكِ اللّٰهُ مِنْهُ. وَ نَتَنَ حَتّٰى اَخْرَجَهٗ اَهْلُ الْقَرْيَةِ مِنَ الْقَرْيَةِ وَ اَلْقَوْهُ فِي الْمَزْبَلَةِ خَارِجَ الْقَرْيَةِ۔

خداوند عالم نے ابلیس کو جناب ایوب علیہ السلام کے پورے جسم پر عقل و آنکھوں کو چھوڑ کر مسلط کر دیا۔ ابلیس نے ان کے جسم میں ایک پھونک ماری جس سے سر سے لے کر پیر تک پھوڑا ہو گیا اور جناب ایوب علیہ السلام ایک طویل مدت تک اسی طرح رہے اور حمد و شکر الٰہی بجالاتے رہے یہاں تک کہ ان کی بدن میں کیڑے پڑ گئے! جب وہ کیڑے بدن سے گر پڑتے تھے تو حضرت ایوب علیہ السلام اسے اٹھا کر اسی جگہ جسم میں رکھ کر فرماتے تھے: اسی جگہ واپس جاؤ جہاں سے خدا نے تم کو پیدا کیا، یہاں تک کہ ان کے جسم سے (ایسی) بدبو پیدا ہو گئی کہ ان کے گاؤں والوں نے وہاں سے نکال کر ان کو گاؤں کے باہر کوڑے پھینکنے کی جگہ پر پھینک دیا۔[1]

---

[1] بحار الانوار ج ۱۲، ص ۳۴۲، کتاب النبوۃ، باب قصص ایوبؑ، حدیث ۳۔

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝﴾ فَقَالَ: يَا اَبَا مُحَمَّدٍ! يُسَلَّطُ وَاللّٰهِ! مِنَ الْمُؤْمِنِ عَلٰى بَدَنِهٖ وَ لَا يُسَلَّطُ عَلٰى دِيْنِهٖ. قَدْ سُلِّطَ عَلٰى اَيُّوْبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَشَوَّهَ خَلْقَهٗ وَ لَمْ يُسَلَّطْ عَلٰى دِيْنِهٖ وَ قَدْ يُسَلَّطُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى اَبْدَانِهِمْ وَ لَا يُسَلَّطُ عَلٰى دِيْنِهِمْ۔

ارشاد خداوندی ہے: ''جب قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو، بتحقیق شیطان کو مومنین اور خدا پر بھروسہ کرنے والوں پر کوئی اختیار نہیں ہے''، تو امامؑ نے فرمایا: اے ابومحمد! خدا کی قسم! شیطان مومن کے جسم پر مسلط ہوسکتا ہے مگر اس کے دین پر مسلط نہیں ہوسکتا۔ شیطان کو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر مسلط کیا گیا تھا۔ اس نے ان کے جسم کو بدصورت بنا دیا تھا لیکن ان کے دین پر مسلط نہیں کیا گیا۔ (اسی طرح) کبھی مومنین کے جسموں پر مسلط کر دیا جاتا ہے مگر ان کے دین پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔[1]

ناجیہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی:

اِنَّ الْمُغِيْرَةَ يَقُوْلُ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُبْتَلٰى بِالْجُذَامِ وَ لَا بِالْبَرَصِ وَ لَا بِكَذَا وَ لَا بِكَذَا؟ فَقَالَ: اِنْ كَانَ لَغَافِلًا عَنْ صَاحِبِ يَاسِيْنَ. اِنَّهٗ كَانَ مُكَنَّعًا. ثُمَّ رَدَّ اَصَابِعَهٗ فَقَالَ: كَاَنِّيْٓ اَنْظُرُ اِلٰى تَكْنِيْعِهٖ اَتَاهُمْ فَاَنْذَرَهُمْ. ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ مِنَ الْغَدِ فَقَتَلُوْهُ. ثُمَّ قَالَ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُبْتَلٰى بِكُلِّ بَلِيَّةٍ وَ يَمُوْتُ بِكُلِّ مِيْتَةٍ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهٗ۔

مغیرہ کہتا ہے: مومن کبھی جذام، برص اور فلاں فلاں بیماری میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔ حضرتؑ نے فرمایا: یقیناً وہ حبیب نجار کے احوال سے غافل ہے۔ صاحب یاسین (حبیب نجار) کو جذام تھا پھر ان کی انگلیاں ٹھیک ہوئیں۔ گویا میں ان کی انگلیوں کے تشنج کو دیکھ رہا ہوں۔ حبیب نجار

---

[1] روضہ کافی، ج۸، ص۲۸۸، حدیث ۴۳۳۔

اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو خدا سے ڈرایا، دوسرے دن پھر آ کر ڈرایا تو ان لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: مومن ہر بلا میں مبتلا ہو سکتا ہے اور ہر قسم کی موت مر سکتا ہے مگر وہ خود اپنے کو قتل نہیں کر سکتا۔[1]

''صاحب یاسین'' حبیب نجار ہیں اور ''تکنیع'' جو ''نون'' کے ساتھ اکثر نسخوں میں آیا ہے علامہ مجلسیؒ کے مطابق اس کا مطلب ''تشنج و مثلہ'' ہونا ہے۔ علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں: گویا جذام کی وجہ سے ان کی انگلیوں میں تشنج پیدا ہو گیا تھا[2]۔ اس قول میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ان احادیث اور ان کے علاوہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین و انبیاءؑ کبھی کسی مصلحت کی بنا پر نفرت آمیز امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان روایات کے مقابلے میں دوسری روایتیں بھی ہیں جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی شکل بگڑنے اور ان کے بدن شریف میں بدبو پیدا ہونے کی بھی نفی کی گئی ہے۔[3]

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵۴، کتاب ایمان و کفر، باب شدۃ ابتلاء المومن، حدیث ۱۲۔

[2] مراۃ العقول، ج ۹ ص ۳۳۰، کتاب ایمان و کفر، باب شدت ابتلاء المومن حدیث ۱۲۔

[3] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں: اِنَّ اَیُّوبَ ابْتُلِیَ سَبْعَ سِنِینَ مِنْ غَیْرِ ذَنْبٍ وَ اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَا یُذْنِبُونَ لِاَنَّهُمْ مَعْصُومُونَ مُطَهَّرُونَ لَا یُذْنِبُونَ وَ لَا یَزِیغُونَ وَ لَا یَرْتَکِبُونَ ذَنْبًا صَغِیرًا وَ لَا کَبِیرًا وَ قَالَ (ع): اِنَّ اَیُّوبَ مِنْ جَمِیعِ مَا ابْتُلِیَ بِهِ لَمْ تُنْتِنْ لَهُ رَآئِحَةٌ وَ لَا قَبُحَتْ لَهُ صُورَةٌ وَ لَا خَرَجَتْ مِنْهُ مِدَّةٌ مِنْ دَمٍ وَ لَا قَیْحٌ وَ لَا اسْتَقْذَرَهُ اَحَدٌ رَاٰهُ وَ لَا اسْتَوْحَشَ مِنْهُ اَحَدٌ شَاهَدَهُ وَ لَا تَدَوَّدَ شَیْءٌ مِنْ جَسَدِهِ وَ هٰکَذَا یَصْنَعُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِجَمِیعِ مَنْ یَبْتَلِیهِ مِنْ اَنْبِیَآئِهِ وَ اَوْلِیَآئِهِ الْمُکَرَّمِینَ عَلَیْهِ وَ اِنَّمَا اجْتَنَبَهُ النَّاسُ لِفَقْرِهِ وَ ضَعْفِهِ فِی ظَاهِرِ اَمْرِهِ لِجَهْلِهِمْ بِمَا لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ تَعَالٰی ذِکْرُهُ مِنَ التَّأْیِیدِ وَ الْفَرَجِ: جناب ایوبؑ بغیر کسی گناہ کے ساٹھ سال تک مبتلا رہے اور انبیاء گناہ کرتے ہی نہیں کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ طاہر ہوتے ہیں، نہ گناہ کرتے ہیں، نہ ہی کسی آلودگی میں مبتلا ہوتے اور نہ گناہ صغیرہ کرتے ہیں نہ کبیرہ۔ معصومؑ نے فرمایا: اس تمام مدت میں نہ تو جناب ایوبؑ کے بدن سے بدبو پیدا ہوئی نہ ان کی صورت قبیح ہوئی اور نہ پوری مدت میں (پھوڑے سے) خون یا پیپ نکلی اور نہ کوئی دیکھنے والا ان سے متنفر ہوا اور نہ مشاہدہ کرنے والا بیزار ہوا نہ ان کے جسم میں کیڑے پڑے۔ خدا اسی طرح اپنے ان انبیاءؑ و اولیاءؑ ساتھ کرتا ہے جو اس کی نزدیک محترم ہوتے ہیں۔ (ہاں) جناب ایوبؑ سے لوگ ان کی غربت و فاقہ اور بظاہر کمزوری کی وجہ سے اجتناب کرتے تھے۔ اس لئے کہ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ ایوبؑ خدا کی خاص عنایتوں اور وسیع فضل و کرم سے بہرہ ور ہیں۔ (بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۳۴۸)

ان روایات کوذکر کرنے اور دونوں میں جمع کرنے کی کوشش کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے، سوائے بحث کوطول دینے کے۔مختصر یہ کہ اس قسم کی امراض نہ مومنین کیلئے مضر ہیں اور نہ ان سے انبیاء علیہم السلام میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ بلندی مقام اور علومرتبہ کا سبب بنتے ہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔

چوتھی فصل: دنیادار ثواب وعقاب نہیں ہے

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس دنیا کے اندر جونقص وقصور، ضعف وکمی ہے، اس کی وجہ سے یہ خداوند عالم کا دار کرامت وجائے ثواب بن سکتی ہے اور نہ ہی یہ محل عذاب وعقاب بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، کیونکہ خدا کا دار کرامت وہ عالم ہے جس میں صرف نعمت ہی نعمت ہوگی اور اس میں عذاب کا تصور تک نہ ہوگا، جس میں صرف راحت ہی راحت ہوگی رنج وتعب کا شائبہ بھی نہ ہوگا اور اس دنیا کے اندر ایسی نعمت کا امکان نہیں ہے، کیونکہ یہ تو دار مزاحمت ہے، اس کی ہر نعمت کے ساتھ رنج وزحمت اور عذاب جڑا ہوا ہے، بلکہ حکماء نے تو یہ کہا ہے کہ اس دنیا کی لذات (لذت ہی نہیں ہے) صرف دفع الم ہیں۔[1]

بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں کی لذتیں موجب الم وتکلیف ہیں، کیونکہ یہاں کی ہر لذت میں رنج والم اور مشقت ہے، بلکہ اس دنیا کا مادہ ہی ایسا ہے جس میں خالص رحمت اور خالص نعمت ناممکن ہے۔اسی طرح اس دنیا کا عذاب اور زحمت ورنج اور مشقت بھی خالص نہیں ہے، بلکہ ہر رنج ومشقت کے ساتھ کوئی نعمت یا کئی نعمتیں لپٹی ہوئی ہیں۔کوئی بھی الم وبیماری اور رنج ومحنت اس دنیا کے اندر خالص نہیں ہے۔

خود اس دنیا کے مواد میں خالص اور مطلق عذاب قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور خدا کے دار عذاب وعقاب کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خالص عقاب اور صرف عذاب ہو۔اس عالم کے اسقام و آلام کا طریقہ دنیا کے آلام کی طرح نہیں ہے کہ ایک عضو سے متعلق ہو دوسرے سے نہ ہو اور ایک عضو صحیح سالم اور آرام سے ہو جبکہ دوسرا عضو درد والم اور مشقت میں مبتلا ہو اور جن باتوں کا ذکر کیا گیا حدیث شریف میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور میں نے بھی ان کی تشریح کی اور جہاں فرمایا گیا ہے: اَنَّ اللّٰہَ

[1] مبدا ومعاد، صدالمتالہین۔

عَزَّ وَ جَلَّ لَمْ يَجْعَلِ الدُّنْيَا ثَوَابًا لِمُؤْمِنٍ وَلَا عُقُوْبَةً لِكَافِرٍ ،تو اس سے مراد یہ ہے کہ خدا نے دنیا کو نہ تو مومن کے ثواب کی جگہ قرار دیا ہے اور نہ ہی کافر کے عقاب کی جگہ بنایا ہے۔ یہ تو دار تکلیف ہے، آخرت کی کھیتی اور عالم کسب ہے اور آخرت دار جزا و سزا اور (دار) ثواب و عقاب ہے۔ (لہٰذا) اس دنیا میں اگر کوئی کسی گناہ یا فحاشی کا ارتکاب کرے یا کسی پر ظلم و تعدی کرے تو جو لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ خدا کو چاہیے کہ فوراً اس کا تدارک کر دے اور ظالم کا ہاتھ کاٹ دے اور اس کو نابود کر دے، وہ اس بات سے غافل ہیں کہ یہ بات خلاف مصلحت اور خدا کی سنت جاریہ کے مخالف ہے۔ یہ دنیا تو دار امتحان اور شقی و سعید اور مطیع و عاصی میں امتیاز کرنے کی جگہ ہے۔ یہ اعمال کے ظہور کا عالم ہے۔ ملکات و اعمال کے نتائج کے ظہور کی جگہ نہیں ہے اور اگر اتفاق سے خدا کسی ظالم کو مبتلائے بلا کر دے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ظالم کے حق میں خدا کی عنایت ہے۔ اگر خدا ظالم و گنہگاروں کو ان کی حالت پر چھوڑ دے تو یہ "استدراج" (خدا کا چپکے چپکے بندے کو جہنم کی جانب لے جانا) ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝﴾

ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پکڑ لیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں بے شک میری تدابیر مضبوط ہیں۔[1]

(ایک اور جگہ) ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ کو ہم نے ان کو جو مہلت دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے (حالانکہ) ہم نے مہلت صرف اس وجہ سے دی ہے تاکہ وہ خوب گناہ کر لیں اور (آخر تو) ان کیلئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔[2]

---

[1] سورۂ قلم، آیت ۴۴۔۴۵۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۷۸۔

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

اِذَا اَحْدَثَ العَبْدُ ذَنْبًا جُدِّدَ لَهُ نِعْمَةٌ فَيَدَعُ الْاِسْتِغْفَارَ فَهُوَ الْاِسْتِدْرَاجُ۔

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کو ایک نئی نعمت دے دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ استغفار چھوڑ دیتا ہے اور یہی استدراج ہے۔[1]

پانچویں فصل: شدید روحانی بلا شدید ادراک کے تابع ہے

حدیث شریف کے ذیل میں جہاں فرمایا گیا ہے: وَ مَنْ سَخُفَ دِيْنُهُ وَ ضَعُفَ عَمَلُهُ قَلَّ بَلَآؤُهُ: ''جس کا دین کمزور ہو اور عقل ضعیف ہو اس کی بلا بھی کم ہوتی ہے''، اس سے ظاہر ہوتا ہے بلیات جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کمزور عقل اور ادراک والے اپنی عقل و ادراک کے مطابق روحانی بلاؤں اور عقلی برائیوں سے محفوظ ہیں۔ اس کے برعکس جن کی عقل کامل اور جن کا ادراک جتنا کامل اور روحانیت جتنی قوی ہوگی اتنی ہی زیادہ شدت کے ساتھ بلیات اور برائیوں کا نزول بھی شدید ہوگا اور ہو سکتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملے: مَآ اُوْذِيَ نَبِيٌّ مِّثْلَ مَآ اُوْذِيْتُ[2]: ''جتنی اذیت مجھے دی گئی کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی'' کی بازگشت اسی مطلب کی طرف ہو۔ اس لئے کہ جو شخص عظمت و جلالت ربوبیت کو زیادہ سمجھتا اور خداوند عالم کے مرتبے کو زیادہ پہچانتا ہوگا وہ بندوں کی نافرمانی اور احترام کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ متاثر و متالم ہوگا۔ اسی طرح جس کا رحم و کرم، لطف و عنایت خدا کے بندوں پر زیادہ ہوگی اس کو بندوں کی نافرمانی، گمراہی اور بدبختی سے اذیت بھی زیادہ ہوگی اور چونکہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مقامات میں اور دیگر مدارج میں بھی تمام انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور تمام بنی آدم سے زیادہ کامل و اکمل تھے، اس لئے آپؐ کی اذیت اور اثر پذیری بھی سب سے زیادہ تھی۔

اس کے علاوہ بھی دوسری توجیہ ہے مگر اس کا ذکر یہاں پر مناسب نہیں ہے۔

(جاری ہے)

*****

[1] مجمع البیان، تفسیر سورۂ قلم۔

[2] الوافی، ج ۲، ص ۲۳۵۔

مسجد

از: پیام اعظمی

راحتِ قلبِ رسولؐ دوسرا ہے مسجد اور تمنائے شہ عقدہ کشا ہے مسجد
جلوہ گاہِ حسنؑ سبز قبا ہے مسجد حاصلِ معرکۂ کرب و بلا ہے مسجد
خاک کو منزلتِ تاج ملا کرتی ہے
آدمی کو یہیں معراج ملا کرتی ہے

دین ہے گوہرِ نایاب یہ ہے اس کا صدف خاک اس گھر کی دوا بہر شہنشاہِ نجف
دل خوددار کی تعمیر حسینؑ اس کا ہدف یہ وہ در ہے کہ جہاں مانگنا ہے وجہِ شرف
لبِ معصومؑ بھی مصروفِ مناجات ملے
انبیاءؑ بھی یہاں پھیلائے ہوئے ہاتھ ملے

تربیت گاہِ مزاجِ بشری ہے یہ جگہ دہر میں مرکزِ صاحب نظری ہے یہ جگہ
یعنی اک مدرسۂ دیدہ وری ہے یہ جگہ ساری آلائش باطل سے بری ہے یہ جگہ
طنز کرتی ہے وہ تاجِ سرِ سلطانی پر
خاک اِس در کی جو لگ جاتی ہے پیشانی پر

جب نمازی کوئی اس خاک پہ رکھتا ہے قدم پیشوائی کیلئے بڑھتا ہے خالق کا کرم
آفریں کہتے ہیں جنت سے رسول اکرمؐ ہوتی ہے رحمتِ معبود کی بارش پیہم
در و دیوار محبت کی صدا دیتے ہیں
ہاتھ اٹھائے ہوئے مینارے دعا دیتے ہیں

*****